حق تصنیف محفوظ ہے

۷۸۶

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا

اہل بیت

جس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرہ اور بیٹیوں کے صحیح اور معتبر تاریخی حالات عربی کی مستند کتابوں سے اخذ کرکے لکھے گئے ہیں

باہتمام محمد عبد السلام پرنٹر پبلشر

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوئی

۱۳۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کسی حکیم کا یہ بہت سچا مقولہ ہے کہ "تواریخ سے بہتر کوئی معلم نہیں" کیونکہ تواریخ اُن لوگوں کی زندگی کا نمونہ انسان کے سامنے پیش کر دیتی ہیں جو دنیا میں معزز اور مقدس ہو گزرے ہیں اور انکے ذریعے انسان اپنی زندگی کے لیے ایک عمدہ دستور العمل بنا لیتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ متمدن اقوام میں علم تاریخ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہماری اردو زبان میں بھی ملک کے اہل قلم اس علم کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور آج میں دیکھتا ہوں کہ اس گمنام زبان میں بھی بہت سی تاریخ کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جس میں سوانح عمریوں کی طرف لوگوں نے خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہے، لیکن یہ دیکھکر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ اس تاریخی ذخیرہ میں بھی صنف نازک کی حق تلفی کی گئی ہے۔ اور بمشکل ایک آدہ کتاب اس میں ایسی مل سکیگی جو عورتوں کے لیے مفید ثابت ہو سکے، اسلیے اس بات کی بہت ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ایسی سوانح عمریاں اور تاریخ کی کتابیں لکھی جائیں جو ہماری مستورات کے سامنے پاک زندگی بسر کرنے کا نمونہ پیش کریں۔

اسی خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اُن کی مقدس بیٹیوں

کی زندگی کے مختصر حالات میں نے لکھے کیونکہ اُن کی پاک مثال مسلمان عورتوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہوگی۔

اس میں آنحضرت کی کل ازواج مطہرہ خدیجہ. عائشہ، سودہ بنت زمعہ، حفصہ، زینب ام المساکین، ام سلمہ، زینب بنت جحش، ام حبیبہ، جویریہ، صفیہ بنت حیی، میمونہ اور چاروں بیٹوں زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن کے حالات ترتیب وار لکھے گئے ہیں، بی بیوں کی ترتیب اس طرح پر ہی کہ آنحضرت نے جس طرح آگے پیچھے اُن سے نکاح کیا اُسی طرح وہ مقدم و مؤخر رکھی گئی ہیں اور بیٹیوں میں بڑی چھوٹی ہونے کے لحاظ سے ترتیب رکھی گئی ہی،

ہر ایک روایت عربی کی معتبر اور مستند کتابوں، مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، اصابہ، استیعاب، دلائل النبوۃ، سیرۃ محمدیہ، تفسیر معالم التنزیل، تاریخ ابو الفدا، ابن اثیر، مواہب لدنیہ وغیرہ وغیرہ سے اخذ کر کے لکھی گئی ہی، ہر ایک بات متعدد مورخوں اور راویوں کے بیانات دیکھکر جو اکثر ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف تھے صحیح فیصلہ کر کے لکھی گئی ہی. اور وہ روایتیں جو از روے درایت قابل تسلیم نہ تھیں نظر انداز کر دی گئیں۔

سواے حضرت عائشہؓ کے اور ہر ایک کے حالات جہانتک معلوم ہو سکے لکھے گئے حضرت عائشہ کی سوانح عمری میں بہت ہی اختصار کیا گیا۔ کئی اہم واقعات اُنکی زندگی کے مثلاً حدیث افک یا واقعہ جمل وغیرہ دیدہ و دانستہ چھوڑ دیے گئے اُنکے علم و تفقہ کی کیفیت بھی زیادہ نہیں بیان کی گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میں چاہتا تھا کہ ہر ایک کی سوانح عمری کی مقدار بہت زیادہ متفاوت نہو۔ اگر حضرت عائشہؓ کے پورے زندگی کے حالات لکھنے کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ خود ایک مکمل کتاب ہو جاتی۔ اسلیے بالفعل چند ضروری حالات پر اکتفا کیا۔

اس کتاب کے لکھنے سے سب سے بڑا مقصد یہ ہی کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جاے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بی بیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا۔ اور کس طرح وہ ایک دوسرے کی زندگی کے حقیقی شریک تھے۔ آجکل عام طور پر اہل اسلام عورتوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اُنکی وقعت اُنکے دل میں

ایک لونڈی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس میں نہ صرف جہلا گرفتار ہیں بلکہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ بھی یہی برتاؤ اپنی بی بیوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اس کتاب سے اُنکو معلوم ہوجائیگا کہ وہ کس قدر اپنے ہادیِ برحق کی عملی تعلیمات کو بھولے بیٹھے ہیں۔

آنحضرت کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں آپ نے کسی بیوی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ نہ کیا ہو۔ یا کسی طرح پر اُن کی عزت اور وقعت میں کمی فرمائی ہو اگر آپ کسی پر خفا بھی ہوئے تو اُسوقت جبکہ دین کے معاملہ میں اُس سے کوئی غلطی ہو جاتی۔ اور اس طرح پر خیر خواہی کے ساتھ اُسکو سمجھا دیتے جس سے وہ خود اپنی غلطی پر نادم ہوتی اور ہمیشہ کے لیے سمجھ جاتی۔

باوجود اسکے کہ آپ کے بہت سی بیبیاں تھیں لیکن خوش خلقی اور برتاؤ کی عمدگی کی وجہ سے اُن میں بھی کوئی ناگوار معاملہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اور سب کی سب ایک دوسری سے شیر و شکر ہو کر رہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت نے اتنی بی بیاں کیوں نکاح میں رکھی تھیں اسلام میں تو زیادہ سے زیادہ چار بی بیاں رکھنے کا جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اسلام کے پیشتر یہودیوں اور عربوں میں بی بیوں کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، جو شخص جسقدر بی بیوں سے نکاح کرنا چاہتا تھا کر لیتا تھا، اسلام نے تحدید کردی کہ کوئی چار بی بیوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا، چنانچہ جسوقت یہ حکم اُترا آنحضرت نے کئی شخصوں کو جنکے پاس چار بی بیوں سے زائد تھیں حکم دیدیا کہ وہ اُن میں سے صرف چار کو منتخب کرکے رکھیں۔ اور باقی کو طلاق دیدیں، لیکن خود ایسا نہیں کرسکے حالانکہ اُسوقت بھی نو بی بیاں آپ کے نکاح میں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی بی بیوں کی نسبت قرآن میں حکم ہوچکا تھا" اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ" (نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی ماں ہیں)، لاتنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً (نبی کی بی بیوں سے اُسکے بعد ہرگز تم نکاح نہ کرو) اس لیے آپ مجبور تھے۔ اگر چند بی بیوں کو وہ طلاق دیدیتے تو

وہ کہاں جاتیں اور کون اُن کا کفیل ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ آپ کو اجازت دے رکھی تھی کہ تمہارے لیے ہم نے اُن بیبیوں کو حلال کر دیا" لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیدیا "لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن" (اب سے تیرے لیے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ ان بی بیوں سے دوسری بیبیاں بدل سکتا ہے اگرچہ اُن کا حُسن تجھے اچھا معلوم ہو) اس آیت اُترنے کے بعد آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

یہ نام جو عنوان میں لکھا ہوا ہے کسی معمولی شخص کا نام نہیں ہے بلکہ اُس مقدس خاتون کا نام ہے جسنے تمام مردوں اور عورتوں سے پیشتر اسلام کی روشن شاہراہ میں قدم رکھا۔ اور سب سے پہلے اس سچے مذہب کی حقیقت کو سمجھا۔ ارباب سیر اور محدثین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے اوّل جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا وہ یہی مقدس خاتون ہیں۔

دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو نماز پڑھی یہ پہلی نماز اسلام میں تھی اور اُسی دن شام کو خدیجہؓ نے پڑھی۔ سہ شنبہ کو حضرت علیؓ مسلمان ہوئے۔

انکے نسب کا سلسلہ اس طرح پر ہے۔ خدیجہ بنت خویلد۔ ابن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قریشی۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بھی قریشی تھیں۔

انکے والد خویلد قریش میں ایک معزز سردار تھے اور سب سے زیادہ دولت انکے پاس تھی۔ انکے مرنے کے بعد تمام دولت حضرت خدیجہ کو ملی۔ قریش میں ان کی بہت زیادہ عزت تھی۔ نہ صرف مال کی وجہ سے بلکہ نیکی حسن اخلاق میں بھی یہ ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ اسی وجہ سے انکا لقب جاہلیت میں طاہرہ تھا۔

انکا نکاح پہلے عتیق بن عائذ مخزومی کے ساتھ ہوا تھا۔ اُنسے ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکا نام ہند تھا۔ اسی کے بیٹے محمد مخزومی ہیں۔ اسکے بعد ابو ہالہ سے ہوا۔ جو تمیم میں سے تھے۔ انسے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ انکا نام بھی ہند رکھا گیا۔ وہ حضرت علی رضؓ کے ہمراہ واقعہ جمل میں شہید مقتول ہوئے۔

ابو ہالہ کے مرنے کے بعد اُنھوں نے پھر نکاح کا ارادہ نہیں کیا اور دُنیا سے انکی طبیعت اُچاٹ تھی اکثر خانہ کعبہ میں جاتیں اور وہیں اپنی عبادت کیا کرتیں طبیعت کا میلان بالکل نیکی کی طرف تھا۔ اسلیے کاہنہ عورتیں جو اُس زمانہ میں بہت بزرگ خیال کیجاتی تھیں انکے پاس اکثر آتی تھیں۔ یہ اُن کی باتیں نہایت خوش اعتقادی سے سنتیں۔ اور اُن کی خاطر و مدارات کرتیں بہت سے قریش کے سرداراس خواہش میں تھے کہ انسے شادی کریں۔ کیونکہ مالدار اور دولت مند ہونے کے علاوہ حسن میں بھی یہ تمام قبیلہ میں بےنظیر تھیں۔ علاوہ بریں اعلیٰ درجہ کی منتظم اور نہایت عقیل تھیں۔ گھر کا اور باہر کا سب انتظام بہت اچھی طرح رکھتی تھیں۔ لیکن اُنھوں نے پسند نہ کیا کئی ایک نے تو یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر ہم سے نکاح کریں تو کئی سو اونٹ دینگے لیکن انکو اس کی کیا پرواہ تھی

قریش کا قبیلہ تجارت پیشہ تھا۔ اور اسقدر تجارت کو وہ لوگ ضروری خیال کرتے تھے کہ جو شخص ان میں سے تجارت نہیں کرتا تھا اُسکو آدمی نہیں سمجھتے تھے۔ اسوقت شام تجارت کا مرکز تھا۔ اور گو شہر بابل۔ اور اشور جہاں سے بنی نوع انسان میں تمدن کا آغاز ہوا اُجڑ گئے تھے۔ لیکن بُصرے وغیرہ بعض منڈیاں ایسی تھیں جہاں تجارت کی گرم بازاری تھی۔ قریش کا قافلہ سال میں ایک مرتبہ تجارت کے لیے شام کے ملک میں جاتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بھی وہیں اپنے تجارتی سامان کے اونٹ بھیجتیں۔ اُنپر کسی کو ملازم کر دیتیں اور اپنے غلاموں کو ساتھ کر دیتیں۔ ایک سال بہت ہی سخت قحط تھا اور عرب کے لوگ نہایت پریشان تھے ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "تمھارا نام عرب میں امین (امانت دار) مشہور ہوگیا ہے۔ لوگ تمھاری سچائی اور دیانت داری پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اسوقت شام کے ملک میں قافلہ جانے کو طیار ہے۔ خدیجہ اپنے اونٹوں کے ہمراہ ایک شخص کو اجیر (ملازم) کر کے بھیجتی ہیں۔ اگر تم اُنسے کہو تو کیا عجب ہے

کہ تمھیں کو اس کام کے لیے پسند کریں۔ کیونکہ گرانی کی وجہ سے ہم لوگ تباہ ہوئے ہیں۔ کوئی صورت آمدنی کی کرنی چاہیئے"۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "بہت ممکن ہی کہ وہ بلا درخواست یہ کام میرے سپرد کر دیں"۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ میری امانتداری کی شہرت ہی۔ اور وہ امین آدمی تلاش کرینگی۔ اسلیے کوئی تعجب نہیں ہی کہ پہلے اُن کی نظر مجھی پر پڑیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک آدمی سے ابوطالب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا حال سُنا تو آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اپنے تجارتی سامان کے اونٹ آپ ہی کے سپرد کرتی ہوں۔ اور جسقدر پہلے لوگوں کو میں اُجرت دیا کرتی تھی اُسکا دوگنا آپ کو دونگی۔ یہ سُنکر ابوطالب بہت خوش ہوے اور قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو بھی ہمراہ کر دیا اور اُسکو تاکید کر دی کہ امین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ اسوقت اسی نام سے مشہور تھے) کی نافرمانی نہ کرنا اور اُنکی اچھی طرح خدمت کرنا۔

جب شام کے متصل پہونچے تو ایک مقام پر قافلہ اُترا۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے۔ اُسکے قریب ہی ایک راہب (یہودی عالم) کا جھونپڑا تھا جسکا نام نسطورا تھا۔ میسرہ وہاں کسی کام کے لیے گیا۔ راہب نے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے کون شخص اُترا ہی۔ میسرہ نے آپکا نام لیا۔ اُسنے جھک کے دیکھا اور میسرہ سے پوچھا کہ کیا اس شخص کی آنکھوں میں سُرخی بھی ہی۔ اُسنے کہا ہاں۔ فوراً ایک ورق توریت کا ہات میں لیے ہوے آپ کے پاس آیا۔ شکل وصورت دیکھتا جاتا تھا۔ اور اُس ورق کو پڑہتا جاتا تھا۔ قریش کے بعض لوگوں نے خیال کیا کہ یہ کوئی منتر پڑہ رہا ہی۔ فوراً چاروں طرف سے تلواریں لیکر اس راہب کے مارنے کے لیے دوڑے۔ لیکن وہ اپنے صومعہ میں بھاگ گیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ اوپر سے آکر کہنے لگا کہ تم لوگوں کا خیال غلط ہی۔ میں اس شخص کی صورت کو اپنے نبی کی پیشین گوئیوں سے ملا رہا تھا۔ جسکو میں نے بالکل پورا پایا۔ یہ شخص

وہی نبی ہے جس کی آسمانی کتابوں میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اور یہ عنقریب برہنہ شمشیر اور لمبے نیزے کے ساتھ مبعوث ہوگا۔

اسکے بعد آپ بازار میں تشریف لے گئے۔ وہاں اموال تجارت کو فروخت کیا۔ اتفاقاً اُس سال ہر سال کی بہ نسبت دُگنے سے زیادہ نفع حاصل ہوا۔ تمام راستہ میں آپکا برتاؤ ہر ایک کیساتھ خوش معاملگی کا تھا۔ میسرہ جان و دل سے آپکا مطیع تھا۔ اور جسوقت قافلہ واپس آیا تو حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس پہنچکر تمام حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نسطورا کا قصہ بیان کیا۔ اور حد سے زیادہ اُنکی تعریف کی۔ اسکے بعد تمام مال پیش کیا۔ حضرت خدیجہؓ اس غیر معمولی نفع کو دیکھکر بہت خوش ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُنکی مقررہ اُجرت سے دُگنا دیا۔

دوبارہ پھر حضرت خدیجہؓ نے یمن کے بازار جاشہ میں آپ کو بھیجا۔ وہاں بھی اچھا نفع حاصل ہوا آپ وہاں سے کپڑے خریدتے لائے جس سے مکہ میں آکر بہت فائدہ ہوا۔ یہ سفر بھی آپ کا بہت کامیاب رہا۔ حضرت خدیجہ آپ کے حسن معاملت اور دیانتداری سے بیحد خوش ہوئیں۔ اس کے علاوہ چونکہ نسطورا راہب وغیرہ کا قصہ سُن چکی تھیں۔ اس لیے وہ حضرت کی نسبت یہ سمجھتی تھیں کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اور یہی وجہ تھی جسنے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی ترغیب دلائی۔ نفیسہ۔ جو حضرت خدیجہ کی لونڈیوں میں تھیں کہتی ہیں کہ خدیجہؓ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ سے بہت قدر تھی۔ بعثت کے قبل سے انکے اخلاق اُن کی راستی پر وہ فدا تھیں

جب حضرت دوسری بار یمن کے بازار سے واپس آئے تو خدیجہؓ نے مجھ کو بطور پیغامبر کے آپکے پاس بھیجا۔ مینے جاکر عرض کیا کہ آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے پاس نہ کچھ مال ہے نہ سامان نکاح کیونکر کروں۔ مینے کہا اس کی ذمہ دار میں ہوں اور ایسی جگہ نکاح کراؤنگی جہاں مال جمال۔ شرافت اور اطاعت سب کچھ ہو۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ مینے کہا خدیجہؓ۔ فرمایا کہ

کیونکر اسکا سرانجام ہوگا۔ مینے کہا کہ سب کچھ میں کرلوں گی۔ یہ کیفیت میں نے آکر خدیجہؓ سے بیان کی۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا۔ اور کہا کہ مجکو آپ کی طرف صرف اس لیے رغبت ہے کہ آپ کی کوئی بات کبھی مینے جھوٹی نہیں پائی اور آپ کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ پھر آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس گئے اُنسے یہ حال بیان کیا وہ بہت خوش ہوئے۔ خدیجہ نے بھی اپنے چچا عمرو بن اسد اور تمام قبیلہ کو جمع کیا۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ حمزہؓ نے بیس اونٹ مہر میں دیے اور نکاح ہوگیا۔ اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی اور خدیجہؓ کی چالیس سال۔ اس نکاح کے بعد چونکہ آپ کو دولت مل گئی اسوجہ سے لوگوں کی نگاہ میں عزت اور وقعت بڑھ گئی اور دنیوی اسباب کے لحاظ سے رسالت کی کامیابی کی شاہراہ اسی وقت سے کھل گئی۔ کیونکہ اسکے بعد آپ کو فارغ البالی اور اطمینان کے ساتھ اپنے اُس کام کے لیے کوشش کرنے کا موقع مل گیا جسکے لیے مشیت ایزدی نے دنیا میں آپ کو بھیجا تھا۔ اکثر غار حرا میں چلے جاتے تھے اور وہیں عبادت کیا کرتے۔ حضرت خدیجہؓ اپنے تن من دھن سے ہر ایک کام میں آپ کی مرضی کے مطابق مدد کرنے کے لیے تیار رہتیں۔ جسوقت چالیس برس سے آپ کا سن متجاوز ہوا۔ اسوقت رسالت عطا ہوئی۔ غار حرا میں خدا کی زبردست نشانی (روح الامین) کو دیکھکر ڈر گئے۔ کانپتے ہوئے گھر میں آئے۔ اور کہا کہ۔ زملونی۔ زملونی (مجھ کو چادر اُڑھاؤ۔ مجھ کو چادر اُڑھاؤ) پھر جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ سے تمام کیفیت بیان فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ نے ہر طرح پر تسکین دلائی۔ اور کہا تم صدقہ دیتے ہو۔ قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ تمہارا شیوہ احسان ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے ہو۔ کیا تمکو اللہ ضائع کریگا نہیں ہرگز نہیں۔ پھر وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو بہت بڑے عالم تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ علامت تمھاری نبوت کی ہے۔ تمھیں اللہ تعالیٰ سرفراز کریگا۔ تمھاری

قوم تمکو یہاں سے نکال دیگی۔ کاش اُسوقت میں زندہ رہتا تو تمھارا ساتھ دیتا۔ یہ سُنکر اور خدیجہ کی باتوں سے آپ کو تسکین ہو گئی۔ جب کبھی کسی قسم کی گھبراہٹ آپ کی طبیعت کو ہوتی تو حضرت خدیجہ ہی تسکین دلاتیں اور ہمت بندھاتیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں جب کفار سے کوئی بات سُنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو خدیجہ رضؓ سے کہتا تھا وہ اس طرح سمجھاتی تھیں کہ اُس سے میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور کوئی رنج مجھ کو نہیں ہوتا تھا کہ خدیجہؓ کی باتوں سے وہ ہلکا اور آسان نہو جائے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہؓ کسقدر ثابت القلب اور مستقل مزاج تھیں کہ جن اُمور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اُلوالعزم اور بھاری بھرکم رسول کے پاؤں ڈگمگا جاتے تھے وہ ثابت قدم رہتی تھیں اور آپ کی ٹوٹی ہوئی ہمت بندھایا کرتی تھیں)۔ اس طرح پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف زندگی کی شریک تھیں بلکہ رسالت کی کامیابی میں بھی ایک قوی اور زبردست بازو تھیں۔ جسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی وفات کے بعد کیا کرتے تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اکثر آنحضرت جب گھر میں آتے تو خدیجہؓ کا ذکر کرتے اور بیحد ان کی تعریف فرماتے ایک دن حسب معمول آپ نے اُن کی تعریف شروع کی مجھ کو رشک آیا۔ مینے کہا وہ کیا تھیں۔ ایک بوڑھی بیوہ تھیں اللہ نے اُسکے بدلہ میں اُنسے اچھی بیوی آپ کو عنایت فرمائی۔ یہ سُنکر آپ کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔ اور فرمایا کہ واللہ اُس سے اچھی بیوی مجھ کو نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھی اور سب لوگ کافر تھے۔ اُسنے میری تصدیق کی تھی اور سب لوگ مجھ کو جھٹلاتے تھے۔ اُسنے اپنے مال سے میری مدد کی اور لوگوں نے مجھ کو محروم کیا۔ اُس سے اللہ نے مجھ کو اولادیں عطا کیں اور کسی بیوی سے اولاد نہوئی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے دل میں اُس دن سے عہد کر لیا کہ اب کبھی ایسی بات حضرت کے سامنے نہ کہونگی۔ جس طرح حضرت خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و دل سے مددگار، مطیع اور فرمانبردار تھیں۔ اسی طرح حضرت بھی اُن کی قدر کرتے تھے۔

اور ہر طرح پر قابل اعتبار سمجھتے تھے۔ اپنے تمام معاملات میں اُنسے مشورہ لیتے اور اُنکی رائے سے کام کرتے اسی وجہ سے اُن کی وفات سے آپ کو ایسا سخت صدمہ ہوا تھا کہ اگر اُنکے بعد حضرت عائشہ سے آپ کا نکاح نہ ہوجاتا تو آپ کی حالت متغیر ہوجانیکا اندیشہ تھا۔ کیوں کہ جب تک وہ رہیں اُن کی صائب رائے اور تدابیر کی وجہ سے کفار مکہ آپ کو زیادہ تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اُنکے مرنیکے ساتھ ہی ابوطالب بھی مرگئے۔ اور چاروں طرف سے کفار زغہ کرنے لگے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات معراج کے قبل یعنی نماز فرض ہونے کے پہلے ہجرت سے تین سال پیشتر رمضان شریف کے مہینہ میں ہوئی اور مکّہ کے مشہور قبرستان حجون میں وہ دفن کی گئیں اسوقت جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑہی جاتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں سوائے حضرت ابراہیم کے انھیں سے تھیں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو چار برس کی عمر میں انتقال کرگئے۔ پھر زینب ان کے بعد عبداللہ پھر رقیہ۔ پھر ام کلثوم۔ پھر فاطمہ زہرا۔ عبداللہ نے بھی صرف دو برس کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت خدیجہ ان بچوں کی پرورش اور تربیت نہایت محبت اور پیار سے کرتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ "کانت ربتہ البیت وام العیال" (گھر کی مالک اور بچوں کی ماں تھی) رحمہا اللہ ورضی عنہا۔

ان کی فضیلتیں حدیثوں میں بہت کثرت سے ہیں۔ بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ سب سے بہتر اس اُمت کی عورتوں میں خدیجہ ہیں اور گزشتہ اُمت میں مریمؑ۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی نسبت جو حدیث آئی ہے کہ وہ سردار جنتی عورتوں کی ہیں۔ وہ صرف عورتوں کی ایک محدود جماعت کی جنت میں سردار ہونگی۔ ورنہ فضیلت اُسی پھول کو ہے جس کی وہ پنکھڑی ہیں۔ علاوہ بریں اسلام کی جڑ جمانے کی ابتدائی کوششیں۔ تن من دھن سے رسالت

کی مردا ولیّت اسلام یہ ایسی خصوصیتیں ہیں جو ہر طرح پر حضرت خدیجہ کو اس اُمت کی تمام عورتوں سے بہتر ہونے کا درجہ دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وجوہات سے فرمایا تھا کہ خدیجہ خداوند عالم تمکو بشارت بھیجتا ہی کہ تمھارے لیے جنت میں ایک گھر تیار ہی۔

ان کی وفات کے بعد آنحضرت ہمیشہ ان کی تعریف اور ان کے لیے دعا کرتے رہے۔ اور جب کوئی قربانی کرتے تو پہلے خدیجہ کی سہیلیوں کو گوشت بھیجدیتے اسکے بعد کسی کو دیتے۔ انکا کوئی رشتہ دار جب آپ کے پاس آتا تو بہت زیادہ اُس کی خاطر مدارات کرتے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کس قدر حضرت خدیجہ کی عظمت اور محبت تھی۔ جب تک خدیجہؓ حضرت کے نکاح میں رہیں اُسوقت تک آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

اُم المومنین عائشہؓ

دنیا کی تاریخ میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے آدمی تسلیم کیے جاتے ہیں اُسی طرح عائشہؓ تاریخی لحاظ سے سب سے بڑی عورت ہیں۔ اور جس طرح اُنکے محترم شوہر نے دنیا میں ایک سچا مذہب پھیلا کر بہت بڑا احسان کیا ہی اُسی طرح عائشہؓ نے اُنکی تعلیمات شائع کر کے اُمّت کو مرہون منت کیا ہی۔ چنانچہ بعض محدثین کا قول ہی کہ اگر حضرت عائشہؓ نہ ہوتیں تو نصف علم حدیث ضائع ہو جاتا۔ اُنکی عقلمندی۔ صداقت۔ ذہانت۔ صورت۔ سیرت۔ دماغداری۔ نیکی اور بہت سے اوصاف اسی قابل تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو اپنی بہترین بیوی شمار کرتے۔

انکے باپ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول ہیں جو انبیاء کے بعد بلا استثنا تمام دنیا کے آدمیوں سے بہتر ہیں۔ ان کی والدہ ام رومان ہیں جو کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔ باپ کی طرف سے قریشی اور ماں کی جانب سے کنانی ہیں۔ ان کی ولادت ہجرت کے نو سال پیشتر مکّہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اسکے کئی سال پیشتر سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اسلیے اُنپر ایک منٹ بھی کفر کا زمانہ نہیں گزرا۔ اور دنیا میں آتے ہی اپنی پرورش کے لیے انکو اسلامی آغوش ملا۔ بچپن میں ان کی نہایت اچھی پرورش ہوئی کیونکہ انکا حسن اور ان کی طبیعت کی تیزی یہ دو چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے ماں باپ ان کی غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ انکے ہات پاؤں اور انکا جسم بہت توانا تھا اسلیے انکی نشوونما بہت اچھی ہوئی اور اپنی ہم جلیسوں میں قدوقامت صورت اور ذہانت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز رہیں۔ قبیلہ کی تمام لڑکیاں انھیں کے پاس جمع ہوتیں۔ گڈے گڑیاں وغیرہ کھیلتیں چونکہ ذہین لڑکے لڑکیاں عام

طور پر کھیل کے بہت شائق ہوتے ہیں اس لیے یہ شوق اُنکے اندر بھی بہت تھا اور اسوقت کے معمولی کھیلوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ اپنے پاس جمع رکھتی تھیں۔ اور اس طرح پر تمام لڑکیوں کی سردار بنی رہتی تھیں۔ ماں باپ کو ان کی ہر ایک عادت بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی اس ہونہار ننھی بچی کی ہر ایک ادا کو بڑے پیار سے دیکھتے تھے۔ اور اُن کی بلند خیالی اور عالی ہمتی دیکھکر خوش ہوتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ یہ ضرور ایک معزز اور ممتاز لڑکی ہوگی۔ خاصکر ان کے اُس خواب سے جو انھوں نے دیکھا تھا کہ تین چاند ٹوٹ کر میرے آغوش میں گرے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جو خواب کی تعبیر کرنے میں تمام عرب میں مشہور تھے اور بھی متحیر تھے۔ چنانچہ آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیے گئے تو ابو بکرؓ نے عائشہ رضؓ سے کہا کہ "تمہارے تین چاندوں میں سے پہلا اور سب سے اچھا چاند تمہارے آغوش میں آیا" اور اسکے کہنے کی تو ضرورت نہیں کہ بعد میں دو چاند (ابوبکرؓ۔ عمرؓ) اور بھی اُسی آغوش میں ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مغموم رہنے لگے۔ خولہ نے جو مشہور صحابی عثمان بن مظعونؓ کی بیوی تھیں آپ کو رنج میں دیکھکر کہا کہ یا رسول اللہ آپ کوئی نکاح کریں۔ آپ نے فرمایا کہاں۔؟ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو کنواری سے کریں اور نہیں تو بیوہ سے۔ آپ نے پوچھا بیوہ کون ہے اور کنواری کون ہے۔؟ کہا کنواری تو عائشہ ہے جو اُس شخص کی لڑکی ہے جو آپ کے نزدیک اسوقت اللہ کی تمام مخلوق سے پیارا ہے۔ اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہے جو آپ پر ایمان لائی ہے۔ اور آپ کی رسالت اور احکام کو مانتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں سے کہو یہ سُنکر خولہ خوشی خوشی ابو بکرؓ کے گھر آئیں اور ام رومان سے کہا کہ لو۔!! اللہ نے تمہارے لیے بڑی بھلائی اور برکت کا سامان کیا۔ ام رومان نے کہا کہ کیا؟ کہا مجکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا

ہی کہ میں عائشہ کے ساتھ اُنکے نکاح کا پیغام تم سے کہوں۔ اُنھوں نے کہا اچھا ٹھہر جاؤ۔ ابو بکر رضہ کو آ جانے دو۔ اُنسے پوچھیں۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی آ گئے۔ اُنسے کیفیت بیان کی گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ مجکو کیا عذر ہو سکتا ہی۔ لیکن یہ ہی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں کیا بھائی کی لڑکی حلال ہی۔؟ خولہ پھر حضرت کے پاس آئیں اور یہ قصہ اُنسے کہا۔ آپنے فرمایا کہ ابو بکر از روئے اخوت اسلامی کے میرے بھائی ہیں نہ کہ رشتے کے اس لیئے اُنکی لڑکی میرے لیے حلال ہی اسکے بعد حضرت ابو بکر رضہ نے فوراً تیاری کر کے نکاح کر دیا۔ اسوقت حضرت کی عمر شریف پچاس سال سے کچھ زائد اور حضرت عائشہ رضہ کی چھ سال تھی۔ اس نکاح کے بعد آپ کا رنج و غم کم ہو گیا۔ حضرت کی تمام بی بیوں میں صرف حضرت عائشہ ہی کنواری آپ کے نکاح میں آئیں ورنہ سب کی سب ایسی تھیں کہ کوئی ایک نکاح کے بعد آپ کے نکاح میں آئی تھی اور کوئی دو نکاح کے بعد۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ میں ہجرت کر آئے تو اُسکے ایک سال کے بعد حضرت عائشہ وداع کی گئیں۔ اسوقت انکی عمر کچھ زائد نو سال تھی اور جب آپکی وفات ہوئی تو اُنکی عمر اٹھارہ سال سے چند ماہ زائد تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بی بیوں سے زیادہ انھیں کے ساتھ محبت تھی۔ اور انکی بہت قدر اور عزت کرتے تھے۔ لیکن باوجود اسکے حقوق سب کے آپنے یکساں رکھے تھے۔ اُس میں کسی قسم کا فرق ایک دوسرے سے نہیں تھا۔ البتہ سودہ بنت زمعہ رضہ نے اپنا تمام حق حضرت عائشہ رضہ کو دیدیا تھا۔ اسلیے دوسری امہات المومنین کی نسبت انکا حق دو چند تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے ساتھ جو محبت تھی وہ سب پر عیاں تھی۔ اسی لیے عام طور پر لوگ انھیں کے حجرے میں تحفے اور ہدیے بھیجتے تھے۔ اسپر بعض دوسری بی بیوں کو کچھ خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ [illegible] لوگ

اسقدر ترجیح لوگوں نے دے رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہ کے متعلق تم مجھ سے کچھ نہ کہو۔ واللہ تم میں سے کسی کے لحاف میں جب میں ہوتا ہوں تو وحی نہیں اُترتی مگر عائشہؓ کے۔

حضرت کو عائشہؓ کے ساتھ جو محبت تھی وہ صرف اُنکے حُسن کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ اور دوسری آپکی بی بیاں مثلاً صفیہؓ۔ زینبؓ وغیرہ اُنسے کم حسین نہ تھیں بلکہ اُنکے عمدہ اوصاف اور عقلمندی کی وجہ سے تھی۔ اکثر آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو عائشہؓ ہی سے گفتگو کرتے اور اُنکی باتیں سنتے۔ حضرت عائشہؓ کی فصاحت و بلاغت ضرب المثل تھی اور نہایت مسلسل و معقول گفتگو کرتی تھیں۔ اسوجہ سے آپ اُنکی باتوں کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپنے حضرت عائشہ سے جاہلیت کے زمانہ کے متعلق بات چیت کرنی شروع کی۔ حضرت عائشہؓ نے اثنا گفتگو میں گیارہ عورتوں کا جو جاہلیت کے زمانہ میں گزری تھیں نہایت دلچسپ حال بیان کیا۔ یہ قصہ ایسی فصیح او دلنشین عبارت میں ہے جو کہ عربی زبان میں اعلےٰ پایہ کی خیال کی جاسکتی ہے۔

ذیل میں ہم اُسکا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

جاہلیت کے زمانہ میں پانی بھرنے کے لیے ایک گھاٹ پر گیارہ عورتیں جمع ہوئیں۔ اُن سبھوں نے باہم یہ عہد و پیمان کیا کہ ہر ایک بلاکم و کاست سچا سچا حال اپنے شوہر کا بیان کرے چنانچہ وہ سب اپنا کام چھوڑکر بیٹھیں کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہروں کی سرگزشت کہے۔

(۱) پہلی نے کہا کہ میں اپنے شوہر کا حال کیا بیان کروں۔ اگر بیان کرونگی تو صرف اُس کے عیب ہی عیب ہیں جنکو میں ذکر کرسکوں گی۔

(۲) دوسری نے کہا کہ میرا شوہر ایسا ہے جیسے کہ ایک دُبلے اونٹ کا گوشت کسی پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو تو اُسکا رستہ اس قابل ہے کہ کوئی چڑھ کے جائے اور اُس سے نفع اُٹھائے نہ وہ گوشت ایسا اچھا ہے کہ اُسکے لیے کوئی پہاڑ پر چڑھنے کی زحمت گوارا کرے۔

(۳) تیسری نے کہا کہ میرا شوہر ایسا ہی کہ جب کھانے کے لیے بیٹھتا ہی تو بیالہ صاف کرجاتا ہی اور جب پیتا ہی تو تلچھٹ تک بھی نہیں چھوڑتا۔ اور جب سوتا ہی تو سارا لحاف خود ہی لپیٹ لیتا ہے

(۴) چوتھی بولی کہ میرا شوہر بڑا احمق اور خطرناک ہی۔ اگر نہ کچھ کہوں تو میری خبر نہیں لیتا اور اگر کچھ بولتی ہوں تو طلاق دینے پر آمادہ ہوجاتا ہی۔

(۵) پانچویں نے کہا کہ میرا شوہر جاہل۔ بدراہ اور پیٹو ہی۔ دنیا میں کوئی بیماری نہیں جو اُس میں نہو۔ جب گھر میں آتا ہی تو مجکو دھمکاتا ہی۔ کہتا ہی کہ تیرا مُونھ توڑ دوں۔ تیرا دانت توڑ دوں تیرا سر توڑ دوں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب شوہر بُرے تھے جنکا برتاو اپنی بی بیوں سے ایسا تھا کہ وہ شکایت کرتی ہیں)۔

(۶) چھٹی کہتی ہی کہ میرا شوہر۔ آہ میرا شوہر۔ اُسکی خوشبو ایسی ہی جیسے مشک کی۔ اور وہ ایسا نرم و نازک ہی جیسے خرگوش۔ (یعنی اُسکے اخلاق اچھے ہیں اور رحم دل ہی)۔

(۷) ساتویں نے بیان کیا کہ میرا شوہر ایسا ہی جیسے تہامہ کی رات۔ نہ گرم ہی نہ سرد اور نہ خوفناک۔

(۸) آٹھویں نے کہا کہ میرا شوہر جب گھر سے باہر نکلتا ہی تو شیر ہی اور جب گھر میں رہتا ہی تو چیتا۔ (یعنی آہستہ سے چیتوں کی طرح ایک کونے میں سوتا رہتا ہی) اور جو کچھ اُسنے ہمارے اخراجات کے لیے مقرر کردیا ہی اُس سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی (بے مانگے دیدیتا ہی)

(۹) نویں بولی کہ میرا شوہر بہت عظیم الشان ہی۔ اُس کی تلوار رکھا پرتلہ بڑا لمبا ہی۔ اُس کی نشستگاہ زنانہ مکان سے قریب ہی۔ اُسکے گھر سے راکھ بہت نکلتی ہی (یعنی وہ لمبے قد کا ہی۔ بہت بہادر ہی۔ اور بڑا مہمان نواز ہی کہ مہمانوں کے لیے نشستگاہ مکان سے قریب بنائی ہی کہ جس چیز کی اُنکو ضرورت ہو فوراً مکان سے حاضر کیجاسے اور کھانا اُسکے یہاں مہمانوں کے لیے بہت پکتا ہی۔

جس کی وجہ سے اُسکے گھر سے راکھ بہت نکلتی ہی

(۱۰) دسویں نے کہا کہ میرے شوہر کا نام مالک ہی۔ وہ صرف نام ہی کا مالک نہیں ہے بلکہ بہت سے اونٹوں کا مالک ہی جو کئی چراگاہوں میں چرتے ہیں۔ جب اُسکے یہاں مہمان آتے ہیں اور وہ چھریاں کھڑکھڑاتا ہی تو اونٹ سمجھ جاتے ہیں کہ آج ہم میں سے بہتوں کی موت آگئی ہی۔

(۱۱) گیارہویں نے اپنی داستان بیان کی کہ پہلے میرا نکاح ایک زمیندار سے ہوا اُسنے میرے دونوں بازؤں کو گوشت سے اور کانوں کو زیور سے بھر دیا (یعنی اُسنے مجھ کو خوب کھلایا کہ میں موٹی تازی ہوگئی۔ اور میرے لیے بہت سے گہنے بنوائے) اُسکی ایک بڑھیا ماتھی۔ واہ کیسی اچھی ماتھی۔ اُسکے کوٹھے غلّوں سے بھرے رہتے تھے۔ اور اُسکے گھر کا صحن بہت وسیع تھا اُسکے ایک بیٹی پہلی بیوی سے تھی۔ واہ کیسی موٹی تازی بیٹی تھی اور کسقدر وہ محلہ میں ہر دلعزیز تھی اُسکے ایک بیٹا تھا۔ واہ۔ کیسا چھریرا خوبصورت بیٹا تھا۔ بہت کم کھاتا تھا اور بہت کم عیش پسند تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اُسنے ایک دوسری عورت سے جو بڑی موٹی اور خوبصورت تھی نکاح کرلیا۔ اور وہ ڈوہونہال بچے اپنے ساتھ لائی تھی۔ اسکے بعد اُسنے مجھے طلاق دیدیا میں نے ایک دوسرے شخص سے شادی کی جو بڑا شہسوار اور بہادر ہی۔ طرح طرح کے زیورات مجکو دیتا ہی اور میری حد سے زیادہ چاہت رکھتا ہی لیکن واللہ اُس زمیندار کے ایک کوٹھے میں جسقدر سامان تھا اُسکا سارا اثاث البیت نہیں ہوسکتا" آپ نے یہ سُنکر فرمایا کہ ان سبھوں نے اپنے شوہروں کی بہت تعریفیں کیں اور اُنکے برتاؤ کا بہت عمدہ نقشہ دکھایا۔ میں تیرے لیے اے عائشہ ایسا ہی ہوں جیسا اس گیارہویں کیلیے اُس کا زمیندار شوہر تھا۔

اس زمیندار کو آپ نے اس لیے ترجیح دی کہ اُسنے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا تھا کہ باوجود اسکے کہ اسکو طلاق دیدیا اور اسنے ایک بہادر شہسوار سے نکاح بھی کرلیا مگر اُسکے

سلوک کو نہیں بھولی تھی۔ اور اُس کی ہر ایک بات کی۔ مکان کی۔ بیٹی کی بیٹے کی بیوی کی سب کی تعریف کرتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو اس قابل سمجھکر اکثر اُنسے اپنے راز اور وہ باتیں کہتے تھے جو دوسری عورتوں سے کہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور گھر کے معاملات میں تمام کام آپ انھیں کی رائے کے مطابق کرتے تھے۔ حضرت صفیہ ام المومنین کو جب آپ نکاح کر کے خیبر سے لائے تو تمام امہات المومنین اُنکے دیکھنے کے لیے آئیں۔ حضرت عائشہؓ جب دیکھکر نکلنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھپٹ کر اُنکا دامن پکڑ لیا اور کہا کیوں اے شقیرا (پیار سے حضرت عائشہ کا یہ نام آپ نے رکھا تھا) تو نے کیا دیکھا۔ کہا میںنے دیکھا کہ ایک یہود ن بیٹھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ اسلام لائی ہے۔ اور اُسکا اسلام اچھا ہے۔ وہ خدا کی نیک بندی ہے۔

مسجد میں حضرت عائشہ کے حجرے کے سامنے عید کے دن بہت سے حبشی لونڈے لکڑی اور پھری گدکا کھیلتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو۔ کہا کہ ہاں آپ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ اچھا میرے بازو میں کھڑی ہو کر دیکھو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنی ٹھڈی آپ کے بازو پر رکھکر دیکھتی رہی یہانتک کہ کھڑے کھڑے میں تھک گئی لیکن آپ نہیں اُکتائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسقدر عائشہؓ سے محبّت تھی اُسیقدر بلکہ اُس سے زیادہ یہ اُنپر قربان تھیں۔ اور بحیثیت شوہر ہونے کے تو اُنکی عزت کرتی ہی تھیں۔ رسالت کے آداب کا بھی وہ ساتھ ہی ساتھ لحاظ رکھتی تھیں اور کبھی اپنے مرتبہ سے تجاوز نہ کرتی تھیں۔ جس بات کو ذرا بھی خلاف طبع آپ کے دیکھتیں کبھی اُس کی جرأت نہ کرتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات سے خواہ گھر کے ہوں یا باہر کے واقفیت حاصل کرتیں اور اُنکو محفوظ رکھتیں۔ ایک مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب برات کو انھیں کے حجرے میں سوئے ہوئے تھے۔ یکایک آپ اُٹھے اور آہستہ سے دروازہ کھولکر باہر نکل آئے۔ حضرت عائشہ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اُنکو شبہ ہوا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے حجرے میں جارہے ہیں۔ فوراً اُٹھیں اور دروازہ کھولکر باہر نکلیں تھوڑی دُور آگے بڑھکر جو گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ جنت البقیع (مدینہ کا مشہور قبرستان) میں مُردوں کے لیے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگ رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ مینے اپنے دل میں کہا کہ سبحان اللہ میرا خیال کیا تھا اور آپ کس حال میں مصروف ہیں۔ دعا کے بعد جب آپ واپس آنے لگے تو میں آگے آگے دوڑتی ہوئی آکے بستر پر لیٹ گئی۔ آپ نے مجکو نہیں دیکھا لیکن جب آئے تو میں دوڑنے کی وجہ سے ہانپ رہی تھی آپ نے پوچھا تو مینے کیفیت بیان کردی۔

جسقدر عورتیں آپ سے مسئلہ پوچھنے آتیں تو حضرت عائشہ رض ہی کے ذریعہ سے پوچھتیں اور یہ رسوخ دربار نبوت میں جو حضرت عائشہ کو حاصل ہوا تھا وہ اُنکی ذہانت اور دینداری کی وجہ سے تھا۔ ان میں یہ بڑی خوبی تھی کہ جو بات اُنکے سمجھ میں نہیں آتی تھی اُسپر فوراً دوسروں کی طرح اعتقاد نہیں کرلیتی تھیں بلکہ اچھی طرح سمجھ بوجھکر تسلیم کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں جسکا حساب لیا جائیگا وہ نہیں چھوٹ سکتا۔ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ پھر اسکے کیا معنی ہوئے فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا (جسکو اُس کا نامۂ اعمال دائیں ہات میں دیا گیا اُسکا آسان حساب ہوگا) آپ نے فرمایا اس حساب کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اللہ کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اسی طرح معراج کے مسئلہ میں جس میں لاکھوں علماء اور ہزاروں فلسفی اولجھ کے رہ گئے ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو انھیں کا قول صحیح ہے اور اُسی سے تمام مباحث کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ علی ہذا مُردوں کے سننے کے متعلق اُنھوں نے ایسا اچھا فیصلہ کیا ہے کہ بڑے بڑے اماموں سے نہیں ہوسکا۔ اسکا قصہ یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں بہت سے

مشہور کافر جو حضرت کو پہلے ستایا کرتے تھے اور حضرت اُنپر بددعا کیا کرتے تھے مارے گئے اور کوئیں میں ڈالدیے گئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کوئیں پر آکر باواز بلند اُن کافروں کے نام لیکر کہا کہ کیا تم نے دیکھ لیا کہ جو میں تم سے کہتا تھا وہ سچ ہی؟۔ اسپر بعض صحابہ نے تعجب کیا اور کہا یا رسول اللہ یہ ناپاک نعشیں ہیں گدہ کی خوراک انسے آپ کیا کہتے ہیں یہ کیا سُن سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے زیادہ سُن سکتے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد مدینہ میں یہ روایت عبد اللہ بن عمر امیر المومنین نے بیان کی۔ اور کہا کہ مُردے سُنتے ہیں۔ ابو قتادہؓ جو بہت بڑے صحابی تھے اُنھوں نے کہا کہ نہیں یہ تو صرف حضرت کے لیے مخصوص تھا کہ مُردے اُنکی باتیں سُن سکتے تھے آخر اسکا بڑا چرچا پھیلا اور یہ خبر حضرت عائشہ تک پہنچی۔ اُنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عبد اللہ پر رحم کرے کیا وہ نہیں جانتے کہ قرآن میں اُس نے فرمایا ہی۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (تم ہرگز مُردوں کو نہیں سُنا سکتے) دوسری آیت ہی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَن فِی القبور (تو اُنکو نہیں سُنا سکتا ہی جو قبروں میں ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کُفار کی نعش پر ایک عبرت انگیز بات سُنانی تھی اس لیے آپ نے انکو مخاطب کرکے کہا ورنہ جو مرگیا وہ ہرگز نہیں سُن سکتا۔ اسی طرح اور بہت سی مسائل کے متعلق اُنکے اقوال ہیں جس میں بڑے بڑے علما اور اماموں کی عقل کام نہیں کرتی۔ حضرت کی وفات کے بعد صحابہ کو جب کسی بات میں دشواری پیش آتی تو وہ حضرت عائشہؓ سے آکر پوچھتے اور یہ اُسکو حل کر دیتیں۔ بڑے بڑے صحابہ اور خود خلفا میراث وغیرہ کے مسئلے انھیں سے پوچھتے تھے۔ ان کی رائے عام مسائل میں سب سے بہتر خیال کیجاتی تھی۔ اور علم حدیث کی معلومات انکو سب سے زیادہ تھی۔ علاوہ بریں جاہلیت کے واقعات۔ حالات اور قدیمی شعراء کے اشعار انسے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا اور مسلم طور پر قرن صحابہ میں سب سے زیادہ عالم خیال کیجاتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر اس کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر۔ حضرت ابن عباس۔ ابو موسیٰ

اشعری۔ ابو ہریرہؓ وغیرہ وغیرہ عظیم الشان صحابی اور حدیث جاننے والے ان سے آکر حدیثیں پوچھتے تھے اور پھر انکو روایت کرتے تھے۔ زہری جو فن حدیث کا امام ہے کہتا ہے کہ عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے۔ انکی تقریر نہایت دلچسپ اور پُرزور ہوتی تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ جو خود بڑی مقرر تھے کہتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے بہتر اور اچھا مقرر نہیں دیکھا۔

انکے علم اور دماغداری ہی کی وجہ ہے کہ حضرتؐ کے بعد خلافت کے زمانہ میں بھی ان کی عزت اور عظمت اُسی طرح قائم رہی۔ انکا رعب ایسا تھا کہ بڑے بڑے لوگ انکے سامنے آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ حضرت عمرؓ جنکے پاس آتے ہوئے بڑے بڑے حکام اور جابر لوگوں کے پاؤں ہلجاتے تھے اور جسم لرزنے لگتا تھا وہ بھی جب حضرت عائشہ کے سامنے آتے تو سر جھکا کر نہایت آہستگی سے گفتگو کرتے۔ تمام صحابہ انکا اعزاز بہ نسبت اور امہات المومنین کے زیادہ کرتے تھے اور ان کی فضیلتیں اور تعریفیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں خود کیا کرتے تھے۔ دوسری بی بیاں ان کی برابری کرنے کی کوشش کرتی تھیں لیکن ہمیشہ ناکام رہتی تھیں۔ باوجود اسکے انکو کسی اپنی سوت سے عداوت نہ تھی۔ اور ہر ایک کیساتھ ملی جلی رہتی تھیں۔ دوسری بی بیاں بھی انسے کسی قسم کی دشمنی جیسا کہ ایک مرد کی کئی بی بیوں میں ہوتی ہے۔ نہیں رکھتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے انکی طبیعتوں کو پاک وصاف کر دیا تھا۔ اور کسی طرح کی بُرائی یا کینہ کی کدورت اُنکے دلوں کے آئینوں پر نہیں بیٹھتی تھی۔ کیسی مقدس اور پاک زندگی تھی۔ اور کیا مبارک بیویاں تھیں۔ سبحان اللہ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت فاطمہؓ سے کچھ کد تھی۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے اور کوتاہ بینی پر مبنی ہے۔ حضرت عائشہ خود کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر ایک بات میں کسی کو فاطمہؓ سے زیادہ انکا مشابہ نہیں پایا۔ اور نہ اُنکے بعد میری آنکھوں نے

کسی کو فاطمہ سے بہتر دیکھا۔ کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اُنکو حضرت فاطمہ رضؓ سے کچھ عداوت ہوتی تو اس طرح اُنکی تعریف کرتیں۔ علاوہ بریں ان دونوں کا باہمی کوئی تعلق نہ تھا اور جبکہ اپنی سَوتوں سے اُنکو کچھ دشمنی اور کد نہ تھی تو فاطمہ رضؓ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیاری تھیں کیوں ہونے لگی۔ ھذا بھتان عظیم۔

حضرت عائشہ کا سلوک اہلبیت کے ساتھ ہمیشہ بہت اچھا رہا۔ حضرت علی میں اور ان میں جو ناگوار کشیدگی واقع ہوگئی تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بصرہ کے میدانوں میں حضرت عائشہ رضؓ نے تیس ہزار فوج لیکر حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا اور سخت لڑائی ہوئی وہ منافقین کی پیدا کرائی ہوئی تھی۔ جنھوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے یہ ظاہر کیا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔ اور ادھر آکر حضرت علی کو اُنسے لڑنے پر برانگیختہ کیا۔ ورنہ حضرت عائشہ رضؓ حضرت علیؓ کی بہت عزّت کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک تقریر میں اُنھوں نے خود حضرت علی رضؓ کی خوبیوں کا اقرار کیا تھا خاصکر حضرت علی رضؓ نے جب سے حضرت عائشہ رضؓ کی سوتیلی ماں اسماء سے نکاح کرلیا تھا اسوقت سے اور بھی باہمی تعلقات اچھے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو دنیا کے مال و جاہ کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ ہزاروں درہم اُنکے پاس آتے تھے اور وہ اُسی دن غربا میں تقسیم کردیتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم اُنکے پاس آئے۔ اُنھوں نے فوراً تقسیم کردیا۔ اُسدن روزہ رکھا تھا ایک خادمہ نے کہا کہ آپ نے ایک درہم بھی نہیں رکھا کہ گوشت منگاتے۔ کہا کہ تم نے اگر یاد دلایا ہوتا تو میں رکھ لیتی۔ عبداللہ بن زبیر جو مکّہ کے حاکم تھے اور بعد میں خلیفہ ہوگئے تھے اُنکی بہن اسماء کے بیٹے تھے۔ وہ اکثر لونڈی۔ غلام۔ اور مال و اسباب اپنی اس محترم خالہ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک بار کئی سو لونڈی اور غلام بھیجے اور مال بھی بھیجا۔ اُنھوں نے تمام خیرات کردیا اور لونڈی اور غلام آزاد کردئے۔ عبداللہ رضؓ نے جب یہ کیفیت سُنی تو کہا کہ اب نہ بھیجیں گے

وہ بہت بیدردی سے خرچ کرڈالتی ہیں۔ یہ سُنکر حضرت عائشہؓ کو بہت طیش آیا۔ اور کہدیا کہ اب عبداللہ میرے سامنے نہ آنے پائے۔ آخر کئی دن کے بعد بہت سفارش سے عبداللہ آکے لپٹ کے رونے لگے اور قصور کی معافی چاہی۔ حضرت عائشہؓ اُسی طریقہ پر اپنی زندگی بسر کرتی تھیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیرانہ حالت میں بسر کی۔ اور جس طرح انکا قول تھا الفقر فخری (فقیری پر مجکو فخر ہی) اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی فقیری ہی پر ناز کرتی تھیں۔ خلافت سے بے تعداد رقم بعد میں اُنکو ملتی تھی لیکن مہینہ میں اکثر دن ایسے ہوتے تھے کہ فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ ان کی سب سے بڑی فیاضی یہ تھی کہ انکے حجرہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضؓ دفن ہو چکے تو ایک قبر کی جگہ خالی تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اُسکو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ کسی مسلمان اور خاصکر حضرت عائشہؓ کو اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا ہو سکتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہوں۔ مگر جس وقت حضرت عمرؓ نے مرتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو بھیجا اور کہلایا کہ آپ وہ جگہ جو اُس حجرہ میں خالی ہی مجکو دیدیں تاکہ میں اُسی میں دفن ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ میں نے تو اُسکو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا مگر چونکہ آپنے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہی اسلیے آپ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ اور آخر حضرت عمرؓ وہیں دفن ہوئے۔ یہ ایسی فیاضی ہی کہ اُس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت عائشہؓ بہت سچی اور راستباز تھیں۔ اسی وجہ سے انکا لقب صدیقہ ہی۔ انکی طبیعت میں انصاف بہت تھا جسکی صداقت اس سے ہوتی ہی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو آپ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا کہ تم میں سے سب سے پہلے وہ بیوی میرے پاس آئیگی جسکے ہات بہت لمبے ہونگے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپکی وفات کے بعد اکثر بی بیاں دیواروں پر ہات ناپا کرتی تھیں کہ کس کا ہات زیادہ لمبا ہی۔ سب سے چھوٹے ہات زینب بنت جحش کے تھے۔ مگر سب

پہلے انھیں کا انتقال ہوا۔ تب ہم نے سمجھا کہ لمبے ہات سے مراد فیاضی تھی۔ اور زینبؓ ہم میں سب سے زیادہ سخی تھیں۔ حضرت عائشہؓ باوجود اسکے کہ خود بڑی فیاض تھیں لیکن تسلیم کرتی ہیں کہ زینب مجھ سے زیادہ سخی تھی اسی طرح پردہ کسی کی حالت جب بیان کرتی ہیں تو اُس کی خوبیاں زیادہ دکھلاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ بہت عالی ظرف تھیں۔ اور عیب بینی کو بُرا سمجھتی تھیں۔ ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ کی ۱۷ تاریخ کو انھوں نے مدینہ میں انتقال کیا اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔ اُنسے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اپنی بڑی بہن اسماءؓ کے بڑے بیٹے عبداللہ کے نام سے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی۔ جس سے بعض لوگوں نے جو علم حدیث اور تواریخ سے واقف نہیں ہیں شبہ کیا ہی کہ انسے عبداللہ پیدا ہوے تھے۔ ان کی فضیلتیں بھی بہت ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح تمام کھانوں میں بہتر ثرید (ایک قسم کا کھانا ہی۔ روٹی شوربے میں توڑ کر بناتے ہیں اہل عرب بہت پسند کرتے ہیں) ہی اُسی طرح عورتوں میں بہتر عائشہ ہی۔ ایک مرتبہ آپ سے حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جنت میں آپ کی کون کون بی بیاں ہونگی۔ آپ نے جوابدیا کہ تم بھی انھیں میں سے ہو۔

حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ مجکو چند خصوصیتیں حاصل ہیں جو اور کسی بیوی کو نہیں ہیں اور ان خصوصیات پر میں فخر کرتی ہوں۔ پہلی خصوصیت میری یہ ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواے میرے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ دوسری میری برات آسمان سے اُتری۔ تیسری۔ میں ہی صرف آپکی وہ بی بی ہوں جسکے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں چوتھی یہ کہ سواے میرے لحاف کے اور کسی بیوی کے لحاف میں آپ پر وحی نہیں نازل ہوتی تھی۔ پانچویں رات کو میں آپ کے سامنے سوئی ہوئی رہتی تھی اور آپ نماز پڑھتے تھے۔ چھٹی آپنے میرے گھر میں میری ہی نوبت کے دن فجر کے وقت جبکہ آپ کا سر مبارک میرے آغوش میں

اور میرے سینے پر تھا انتقال فرمایا۔ ساتویں۔ یہ کہ آپ میرے ہی حجرے میں دفن ہوئے۔

عربی علم ادب کی تاریخ میں بہت سے اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جنکو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انکے کہے ہوے ہیں۔ لیکن وہ اقوال نہ روایتاً قابل اعتبار ہیں اور نہ اُصول درایت سے ہم اُن کی تصدیق کے لیے طیار ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ عرب میں عورتوں میں بھی شعر گوئی عام تھی لیکن شاعری میں چونکہ تھوڑی سی رندیت بھی شامل ہے اسلیے سنجیدہ اور مہذب لوگ ہمیشہ اس سے محترز رہے۔ کیونکہ یہ امر انکی شان کے شایاں نہیں ہے

اہل عرب جنکے خمیر میں شاعری تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی نقص نکالتے تھے کہ وہ شاعر نہیں ہیں۔ اسکا جواب اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" (ہم نے اسکو شعر نہیں سکھلایا اور نہ اُسکے لیے شایاں ہے) کیونکہ آنحضرت کا مرتبہ شاعری سے بہت اعلیٰ و ارفع تھا۔ انبیا، صلحا، علما، حکما، بہادروں، مدبروں وغیرہ بلند طبقے کے لوگوں کی بہ نسبت شعرا کا طبقہ بہت ذلیل ہے۔ چنانچہ اہل عرب جو شاعری کو بڑی عزت سمجھتے تھے اور جن میں کوئی متنفس بھی ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو۔ جب اسلام کی روشنی میں آے اور انکے خیالات اور حوصلے عالی ہو گئے تو شاعری کو ذلیل سمجھنے لگے۔ حضرت علیؓ کا ایک دیوان بھی یاروں نے گھڑ لیا ہے۔ اور انکو اعلےٰ درجے کا شاعر ثابت کرتے ہیں۔ لیکن یہ انکے اوپر ایک ظلم اور سراسر افترا ہے۔ انکا مرتبہ بھی شاعری سے کہیں بلند ہے۔

ام المومنین سودہؓ بنت زمعہؓ

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد خولہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح عائشہؓ کے ساتھ کرا دیا۔ لیکن چونکہ عائشہؓ کی عمر اسوقت صرف چھ سال کی تھی اس لیے سودہ بنت زمعہؓ سے اُسکے چند ہی روز بعد آپ نے نکاح کرلیا۔ اور مکہ ہی میں اُسی سال اُنکی وداع بھی ہو گئی۔

سودہ بنت زمعہ قبیلہ قریش سے تھیں انکی والدہ ام الشموس بنی عدی کی ایک ممتاز عورت تھیں۔ سودہؓ اگرچہ مالداری یا حسن کے لحاظ سے کوئی ممتاز درجہ نہ رکھتی تھیں لیکن نیکی اور خوش خلقی میں مشہور عام تھیں۔ پہلے انکا نکاح سکران بن عمر کے ساتھ ہوا تھا جو انکے چچا زاد بھائی تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کی عمر میں نبی ہوئے اور رسالت کا درجہ اللہ تعالے کیطرف سے انکو ملا تو اُنھوں نے مکہ میں اپنے دعوے کا اعلان کر دیا۔ اسوقت کسی نے آپ کو مجنون کہا اور کسی نے جھوٹا۔ کسی نے جادوگر۔ لیکن سچائی ہمیشہ غالب رہتی ہی اسلیے دن بدن آپ کو ترقی ہوتی گئی اور آپ کے ہات پر رفتہ رفتہ لوگوں نے اسلام لانا شروع کیا۔ قریش باوجود اسکے کہ آپ انھیں کے قبیلہ میں سے تھے آپ کے سب سے زیادہ دشمن تھے لیکن ان میں بعض خوش قسمت ایسے بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر غور کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حق ہی اور بالآخر وہ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ سودہ بنت زمعہؓ بھی اسی آخر الذکر گروہ میں تھیں۔ وہ چونکہ ہمیشہ سے نیک راستباز اور فہیم تھیں اس لیے سچی باتیں خوب پرکھ لیتی تھیں۔ انھوں نے جب لوگوں کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت اور قرآن کی بعض آیتیں جو اُسوقت آپ پر نازل ہوئی تھیں

سُنیں تو اُنکو یقین ہو گیا کہ یہ بیشک سچّے نبی ہیں اور یہ آیتیں اللہ کا کلام ہیں۔ انکے شوہر سکران اپنے پُرانے عقیدوں پر جمے ہوئے تھے۔ اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ اور کلام اللہ کو جھٹلاتے تھے اسلیے یہ بیچاری خاموش تھیں۔ اور انھوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ابھی میں چند روز تک اپنا عقیدہ چھپائے رکھوں۔ آخر رفتہ رفتہ سکران کی طبیعت کو بھی اسی طرف اُنھوں نے مائل کیا اور کچھ دنوں کے بعد اسلام کی حقانیت اُن کی سمجھ میں بھی آگئی اور یہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے۔

اسوقت جو لوگ اسلام لاتے تھے اُنپر کفّار طرح طرح کی سختیاں کرتے تھے۔ اسلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ملک حبشہ کی طرف بھیجدیتے تھے جہاں اُنکو امن ملجاتا تھا۔ کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُنکے پیروی کرنے والوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ چنانچہ جسوقت آپ نے حضرت عثمانؓ کو جو آپ کے داماد تھے حبشہ کی طرف ہجرت کرنیکا حکم دیا اُسوقت سودہ بنت زمعہ بھی مع اپنے شوہر سکرانؓ کے حبشہ چلی گئیں۔ سکرانؓ کا جب انتقال ہو گیا جو تقریباً ہجرت کے پانچ سال پیشتر تھا تو پھر یہ مکہ میں آگئیں۔ اور ہجرت کے تین سال پیشتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے انکا نکاح ہوا۔ تواریخ سے ہمکو یہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانہ میں جبکہ انسے آپ نے نکاح کیا ان کی کیا عمر تھی۔ مگر اس سے کہ ان کی وفات ۱۹ھ میں ہوئی اور نیز اس سے بھی کہ مدینہ میں دیگر امہات المومنین سے یہ زیادہ سن رسیدہ تھیں اتنا پتا لگسکتا ہے کہ انکی عمر نکاح کے زمانہ میں کم و بیش پچاس سال تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین برس کا زمانہ گزار کر ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں اور آپ کے ہمراہ ایوب انصاری رضؓ کے گھر میں رہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں وہ خوبیاں اور اوصاف نہیں پاتے تھے جو اُنکی پہلی بیوی خدیجہ میں تھے۔ اسلیے انسے کسی قدر

افسردہ خاطر رہا کرتے تھے اور آپ کو اُنکے ساتھ وہ دلبستگی نہیں ہوتی تھی جو خدیجہ رضی کے ساتھ تھی۔ سودہ رضی بھی اس بات کو محسوس کرتی تھیں۔ اور ہر طرح پر اس کوشش میں رہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنسے خوش رہیں لیکن وہ ایسی بڑی عقلمند نہ تھیں کہ حضرت کے مزاج کی تھاہ پاتیں۔ اسلیے ناکامیاب رہتیں۔ جب عائشہ رضی ام سلمہ رضی صفیہ رضی وغیرہ کئی بی بیاں آگئیں تو اُن کی طرف اور بھی آپ کا خیال کم ہوگیا۔ یہانتک کہ اُنکو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ضرورت سے زائد سمجھ کر طلاق نہ دیدیں۔ کیونکہ اُنسے آپ کو ایسی دلچسپی نہ تھی اور دوسری بی بیوں کی طرح انکا بھی آپ کو پورا حق ادا کرنا پڑتا تھا اسلیے اُنھوں نے یہ بہتر سمجھا کہ میں اپنا حق حضرت عائشہ رضی کو دیدوں جنسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ محبت رکھتے ہیں اور خود سودہ رضی کو بھی عائشہ رضی سے زیادہ محبت تھی۔ تاکہ آپ پر میں بار نہ ہوں اور آپ مجھ کو طلاق ندیں۔ چنانچہ یہ سوچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور اُنسے کہا کہ مجھ کو کوئی خواہش نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ کی بی بیوں میں میرا نام شریک رہے اور قیامت میں میں آپکے ازواج کے زمرہ میں اُٹھائی جاؤں۔ میں خوشی سے اپنا حق آپ کی محبوبہ عائشہ رضی کو دیتی ہوں۔ یہ سُنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوگئے اور اُنکو طلاق نہیں دی۔ اسی کے بعد یہ آیت اُتری فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحا والصلح خیر (دونوں پر گناہ نہیں اگر آپس میں صلح کرلیں اور صلح بھلائی ہی) اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جب تک عورت اپنے حقوق معاف نکرے اُسوقت تک شوہر کو اُسکا ادا کرنا فرض ہی۔ ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے اپنے حقوق چھوڑدے تو شوہر کو اختیار ہوجاتا ہی۔

سودہ رضی کی طبیعت فطرتاً نیک واقع ہوئی تھی اور وہ ایک سیدہی سادی بھولی بھالی مسلمان بیوی تھیں۔ دنیوی لذائذ کی اُنکو کچھ خواہش نہ تھی بلکہ اُن کی بڑی آرزو یہی تھی کہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بنکر رہوں - اور نھیں کے سایہ میں زندگی بسر کروں - اسلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشوں کو وہ اپنی خواہشوں پر مقدم رکھتی تھیں - اور جس کام کو وہ پسند کرتے تھے اُسی کو یہ بھی پسند کرتی تھیں - حضرت عائشہ رض کو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دوست رکھتے تھے اس لیے حضرت سودہ رض بھی اُنکی بڑی محبت کرتی تھیں - اور کبھی اُن کی اطاعت سے قدم باہر نہ رکھتی تھیں - بہت بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں - عشا اور فجر کے وقت مسجد میں جاتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑہتیں - ان کی طبیعت میں مذاق بھی بہت زیادہ تھا اور اکثر حضرت جب گھر میں خالی بیٹھتے تو یہ ایسی باتیں کرتیں جس سے آپ ہنستے حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ سودہ رض حضرت کے پیچھے نماز پڑھ کر آئیں - تھوڑی دیر کے بعد آپ بھی تشریف لائے - سودہ رض نے کہا کہ آج تو آپ نے اسقدر لمبا رکوع کیا کہ مینے اپنی ناک ہاتھ سے پکڑلی کہ شاید نکسیر نہ ٹوٹ جاسے - حضرت مسکرانے لگے - ایک بار سودہ رض نے حضرت سے کہا کہ جب ہم مرجائینگے تو عثمان بن مظعون رض ہمکو دوسری دنیا میں نماز پڑہائینگے - پھر جب آپ وہاں آئینگے تو ہم آپ کے پیچھے پڑہینگے - آپ نے ہنسکر کہا کہ زمعہ کی بیٹی جیسا تو آیندہ زندگی کو خیال کرتی ہے اس سے کہیں سخت ہے -

عرب کی تمام عورتیں باہر نکلا کرتی تھیں - ازواج مطہرات بھی نکلتی تھیں - حضرت عمر رض کو یہ بہت ناگوار تھا اور اُن کی خواہش تھی کہ کسی صورت سے اُمہات المومنین کے لیے پردہ کا حکم ہوجائے ایک دن سودہ بنت زمعہ نکلیں شام کا وقت تھا کچھ تاریکی ہوچلی تھی اُنھوں نے خیال کیا کہ اب مجھ کو کوئی نہ پہچان سکیگا - اُنکے ساتھ ایک بیوی اور بھی تھیں - حضرت عمر رض نے انکو دور سے دیکھ لیا - سودہ رض چونکہ بہت طویل القامت اور بڑے ڈیل ڈول کی عورت تھیں اس لیے اُنھوں نے فوراً پہچان لیا اور ڈانٹا - جب وہ واپس آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ کیا ہم اپنی ضرورت کو

بھی نہ نکلیں۔ آج عمرؓ نے ہمکو ڈانٹا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں عورتوں کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلیں۔

حضرت سودہؓ نے اپنی تمام زندگی نہایت سادگی اور نیک نامی کے ساتھ گزاری ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کی تقلید کرتیں اُن کی صحبتوں سے اُن پر ایسا اثر پڑا تھا کہ دنیا کے جاہ و مال کو یہ بھی بالکل ہیچ سمجھتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ ایک زنبیل درہم سے بھر کر اُنکے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے کہا کیا خرما ہی۔؟ کیوں کہ عام طور پر زنبیل میں خرما ہی لوگ رکھتے تھے۔ لانے والے نے کہا کہ نہیں بلکہ درہم ہیں اُسیوقت غریبوں کو بلا کر سب تقسیم کر دیا

ان کی وفات حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ ۱۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ اور وہیں دفن کی گئیں۔ انکے بھی کوئی اولاد آنحضرت سے نہ ہوئی۔ سکران رضؓ سے ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔

قرآن شریف سے انکو بہت عشق تھا۔ اور اسکے معانی مطالب اور عبارت اُنکو دلسے پسند تھی۔ عبداللہ بن عباسؓ مشہور صحابی جو بڑے فقیہ اور مفسر تھے اور انکے علاوہ یحیٰی بن عبدالرحمٰن اور سعد بن زرارہ نے انسے حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔

ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضؓ کے باپ حضرت عمرؓ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ دوم ہیں اور جنکے عالیشان کارنامے اسلام کے صفحات تاریخ پر قیامت تک یادگار رہینگے۔ انکی والدہ زینب بنت مظعون ہیں۔ ان کی پیدائش اسوقت ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے۔ یہ اور حضرت فاطمہ زہراؓ دونوں ہم سن تھیں۔ پہلے انکا نکاح خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت حفصہؓ نے انھیں کے ساتھ ہجرت کی۔ جب خنیس ابن حذافہ نے بعد غزوۂ بدر کے وفات پائی تو یہ بیوہ ہوگئیں عدت پوری ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی آپ حفصہؓ سے نکاح کرلیں لیکن وہ بالکل خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا۔ اسی زمانہ میں عثمانؓ کی بیوی رقیہؓ جو فاطمہ زہرا کی بہن تھیں مرچکی تھیں انھوں نے جواب دیا کہ میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سب کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ حفصہؓ سے وہ شخص نکاح کریگا جو عثمان سے بہتر ہی اور عثمان کا اس عورت سے نکاح ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہی۔ حضرت عمر کو یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ ماجرا فوراً جاکر سنایا۔ ابوبکرؓ نے کہا میں پہلے سے جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے جب میں نے انکار کردیا تھا اسوقت شاید تمکو کچھ ناگوار گزرا ہو لیکن اصلی وجہ یہی تھی کہ میں آنحضرت کے ارادہ سے واقف تھا

اور میں نے آپ کا راز افشا کرنا پسند نہ کیا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ اسوقت آنحضرت کی عمر شریف (۵۶) سال کی تھی اور حفصہؓ کی (۲۱) سال تھی۔

حضرت حفصہ کا حُسن وجمال معمولی درجہ کا تھا لیکن یہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح جو صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے نہایت سلیم الطبع، نیک مزاج اور اعلیٰ درجہ کے تشرع اور عبادت گزار تھیں۔ انہیں وجوہات سے اُنھوں نے بھی دربار نبوت میں قریب قریب وہی رسوخ حاصل کرلیا تھا جو حضرت عائشہؓ کو تھا۔

حضرت حفصہؓ اسقدر نیک مزاج تھیں کہ کبھی کسی سے انسے ان بن نہیں ہوئی، وہ اپنی عبادت کے سوا دوسری باتوں کی طرف بہت ہی کم مشغول تھیں اور قران سے اُن کو بیحد شوق تھا۔

حضرت حفصہ میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تمام امہات المومنین میں وہی ایک پڑہنا لکھنا جانتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں پڑہنے لکھنے کا بہت کم رواج تھا تاریخو سے معلوم ہوتا ہی کہ ابتداے نبوت میں تمام عرب میں صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑہنا جانتے تھے اور ان میں سے اکثر وہی لوگ تھے جو بڑے بڑے صحابہ تھے، حضرت عمر سب سے زیادہ پڑہے لکھے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام لانے سے پہلے وہ سفارت کا کام انجام دیتے تھے، اہل عرب کی طرف سے۔ روم، شام اور دیگر ملکوں کے بادشاہوں کے پاس جاتے تھے اس لیے وہ علاوہ عربی کے اور زبانیں بھی جانتے تھے، اُنھوں نے اپنی بہن کو بھی پڑہایا تھا اور اُنکے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پڑہے لکھے تھے، اور حضرت حفصہ بھی پڑہنا لکھنا

جانتی تھیں، قرآن جب جمع کیا گیا تو ایک مکمل کتاب کی صورت میں وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس یعنی خلافت کے دربار میں رہا، اور پھر اُن سے حضرت عمرؓ کو جب وہ خلیفہ ہوئے تو ملا، پھر جب حضرت عمرؓ نے انتقال فرمایا تو چونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا تھا اس وجہ سے وہ قرآن حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔

جب حضرت عثمان کو اُسکے نقل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اُنہوں نے حضرت حفصہ سے عاریتاً مانگ کر اُس کی نقلیں کرائیں اور پھر اُن کا قرآن اُنکو واپس دیدیا کیونکہ وہ اسی میں تلاوت کرتی تھیں، حضرت حفصہ کے انتقال کے بعد وہ قرآن مروان نے ضائع کر دیا۔

اس زمانہ میں جبکہ تمام ملک میں صرف چند آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے انکا لکھا پڑھا ہونا بڑی تعریف کی بات تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے اُن کی بڑی قدر کرتے تھے کیونکہ آپ ہر ایک پڑھے لکھے آدمی کے بڑے قدردان تھے اور آپ کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا آجائے۔ بدر کی لڑائی میں جب ایسے چند کافر گرفتار ہوئے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے تو آنحضرت نے اُن کا فدیہ یہی مقرر کیا کہ وہ لوگ ایک ایک مسلمان کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں

آپ اکثر مسلمانوں کو شوق دلایا کرتے تھے کہ وہ پڑھنا لکھنا سیکھیں، آپ کی حدیث ہے کہ "ہر مسلمان عورت و مرد پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے" ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ "عالم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ بیش قیمت ہے" جو مرد یا عورتیں لکھی پڑھی ہوتی تھیں آپ اُن کی عزت فرماتے تھے۔

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں لکھا ہے کہ مدینہ میں ایک بوڑھی عورت ام ورقہ نامی رہتی تھی، نہایت نیک، عابدہ، زاہدہ اور پڑھی لکھی تھی، قرآن کو یاد کیا کرتی تھی اور لکھا کرتی تھی

آنحضرت اُس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اور ازراہ مہربانی کبھی کبھی اسکے مکان پر بھی تشریف لیجاتے تھے، اسکا نام آپنے شہیدہ رکھ چھوڑا تھا، جسوقت بدر کی لڑائی ہوئی اُسوقت اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی لڑائی میں چلوں تاکہ وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کروں، شاید اللہ تعالیٰ مجھ عورت ذات کو بھی شہادت عطا فرمائے، آپنے اسکو جانے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شہادت کا سامان کر دیا ہے۔

چونکہ اس بڑھیا کے کوئی اولاد نہ تھی اسلیے اُس نے ایک لڑکی اور ایک لڑکے کو پرورش کیا تھا، ان دونوں نے مال کے لالچ سے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں اُسکو قتل کر ڈالا، حضرت عمرؓ نے جب سُنا تو کہا کہ آنحضرت نے اُسکا نام شہیدہ بہت ٹھیک رکھا تھا،

الغرض علم کی آپ بڑی عزت کرتے تھے، اور آپنے حکم دیا ہے کہ "علم اگر چین میں بھی ہو تو اُسے حاصل کرو" حضرت حفصہؓ بڑی سلیم الطبع اور نیک مزاج تھیں، حضرت عائشہ جب حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لیے جا رہی تھیں، اسوقت اسلامی دنیا میں ایک عجیب شورش مچی ہوئی تھی بہت سے لوگ حضرت علی کے طرفدار تھے، اور بہت سے لوگ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہوگئے تھے، ایک گروہ ایسا تھا جو دونوں فریق سے الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا، عبداللہ بن عمر بھی اُنہیں میں سے تھے، حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کی طرفدار تھیں، اور جب مکہ میں اپنی ایک تقریر سے حضرت عائشہؓ نے تیس ہزار فوج جمع کر لی اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں تو حضرت حفصہؓ بھی انکے ساتھ ساتھ چلیں، لیکن اُنکے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے جب جا کر اُن کو سمجھایا تو وہ واپس چلی آئیں، اور نہایت آسانی سے

سمجھ گئیں کہ اسوقت الگ ہی رہنا بہتر ہے

ان کا زہد و تقویٰ مشہور تھا اور تمام صحابہ میں اس لحاظ سے ان کی بڑی عزت کیجاتی تھی

ان کی وفات سنہ ۴۱ھ میں جمادی الاول کے مہینہ میں ہوئی، اسوقت ان کی عمر (۵۹) سال کی تھی، اسی سال امام حسن نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی،

حضرت حفصہ رض سے حدیثیں بہت تھوڑی سی روایت کی گئی ہیں، یہ ایسی نیک اور مقبول تھیں کہ جب ان کا جنازہ اُٹھایا گیا تو جو کاندھا دیتا تھا وہ چھوڑتا ہی نہیں تھا، جسکی وجہ سے بعض لوگوں میں کچھ کشیدگی بھی واقع ہوگئی، جنۃ البقیع میں دفن کی گئیں، رحمہا اللہ ورضی عنہا،

ام المومنین زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں تو تمام بی بیاں بہت بڑی فیاض تھیں لیکن زینب ام المساکین کو ان میں سے ہر ایک پر اس خاص حیثیت سے برتری حاصل ہے۔ ان کی فیاضی ضرب المثل تھی۔ اور اسلیے انکا نام تمام عرب میں ام المساکین (محتاجوں کی ماں) مشہور تھا۔ اگرچہ یہ کوئی رئیسہ نہ تھیں کوئی سلطنت انکے پاس نہ تھی۔ اور نہ ایسی بہت بڑی دولتمند تھیں لیکن فیاضی کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ بے تعداد دولت لٹا دی جاے۔ اگر کوئی حد سے زیادہ محتاج ہو اُس کے پاس کچھ بھی دولت نہو اور وہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کی ضروریات میں اپنا ایک پیسہ ہی صرف کرے تو بہ نسبت اُس رئیس کے جو بلا کسی کی ضرورت کے احساس کے خزانے لٹایا کرتا ہے وہ محتاج زیادہ فیاض کہلایا جائیگا۔ فیاضی اور اصراف یعنی فضول خرچی ایسے قریب المعنی الفاظ ہیں کہ ان میں باہمی امتیاز قائم کرنا ایک مشکل امر ہی۔ مگر اس طرح پر اس کا فرق ظاہر ہو جاتا ہی کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی کسی اشد ضرورت کو محسوس کرے اور بطور ہمدردی کے اُسکی ضرورت کے رفع کرنے میں کوشش کرے تو وہ فیاض ہی اور ایسی حالت میں ہمدردی نہ کرنے کا نام بخل ہی۔ اور اگر وہ بلا ضرورت کے احساس کے دوسرے کی ہمدردی کرتا ہی تو فضول خرچی ہی اور اس سے بچنے کا نام انتظام ہی۔ زمانہ نے جس طرح تمام حالتوں میں تبدیلی پیدا کر دی ہی اُسی طرح اب فیاضی کے معنی بھی بدل دیے ہیں۔ یعنے پہلے تو اُسکے کچھ اور معنی تھے اور اب اُسی شخص پر اس متبرک لفظ کا اطلاق ہوتا ہی جو اپنی غیر ضروری آمدنی کو قومی کاموں میں لگاتا ہی،

بہرصورت ضرورت کا احساس ہونے پر خواہ وہ شخصی ہو یا قومی اپنے مال سے ہمدردی کرنے کا نام فیاضی ہے۔ لیکن ضرورتوں کا صحیح موقع سمجھنا ایک نہایت مشکل امر ہے۔ چنانچہ ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ مال پیدا کرنا آسان ہے لیکن موقع سے اسکا صرف کرنا مشکل ہے۔ حضرت زینب رضہ ام المساکین کو یہ مادہ خاص طور پر فطرت سے عطا ہوا تھا کہ وہ ضرورتوں کا نہایت صحیح احساس کرتی تھیں۔ اور اُس موقع پر مدد کرنے کو اپنا بہترین فرض سمجھتی تھیں۔ اُس زمانہ میں بہت سے لوگ غلام آزاد کرنے کو بہت بڑی فیاضی خیال کرتے تھے۔ لیکن ام المساکین اپنے غلاموں کو آزاد کرنا نہیں پسند کرتی تھیں۔ بلکہ جو لوگ انکی قوم کے کفار کے ہاتوں میں گرفتار ہو جاتے تھے اور وہ اُنکو غلام بنا لیتے تھے۔ یہ اپنے غلاموں کو معاوضہ میں دیکر اُنسے اپنے ہمقوموں کو چھڑا لیتی تھیں۔ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بہ نسبت غلام آزاد کر دینے کے انکے اس طرز عمل میں کسقدر زیادہ خوبیاں تھیں اور اس میں شخصی مفاد کے علاوہ قومی ہمدردی بھی مُضمر تھی۔

ان کے باپ خزیمہ ابن عبداللہ قبیلہ بنوہلال میں ایک ممتاز آدمی تھے۔ اور انکی والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ انکی ولادت ہجرت کے ۲۶ سال پیشتر ہوئی تھی۔ پہلے انکا نکاح عبداللہ بن جحش رضہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جو اُحد کی لڑائی میں شہید ہوئے اسکے بعد کئی لوگوں نے انسے نکاح کی خواہش کی لیکن انھوں نے پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے کہا کہ "میں آپ کے لیے حاضر ہوں"۔ اُنکے جواب کے الفاظ سے بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اور بی بیوں سے باقاعدہ شرعی نکاح کیا۔ اور اُنکا مہر ادا کیا اُسی طرح انکے ساتھ بھی معاملہ ہوا۔ اگر انھوں نے اپنا نفس ہبہ کر دیا ہوتا تو ان سب باتوں کی ضرورت کیا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۳ھ میں انکے ساتھ نکاح کیا تھا اور ایک خاص

مکان انکے لیے نامزد کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ تمام بنی نوع انسان سے
فیاضی اور ہمدردی کا مادہ زیادہ تھا اس لیے آپ ان اوصاف کے آدمیوں کی بہت قدر بھی
کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی جس کے باعث آپنے زینب ام المساکین سے نکاح کیا اور اُنکو بڑی وقعت
کے ساتھ ایک خاص مکان میں رکھا۔

لیکن نکاح کے صرف آٹھ ہی مہینہ بعد اُنکا انتقال ہوگیا۔ اور بقیع میں جو کہ مدینہ کا قبرستان
ہی دفن ہوئیں۔ اسوقت انکا سن صرف تیس سال کا تھا۔ ازواج مطہرات میں یہ خصوصیت صرف
انھیں کو نصیب ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے جنازہ کی نماز پڑہائی۔ کیونکہ انکے
سوائے آنحضرت کی اور کسی بیوی نے آپکی زندگی میں وفات نہیں پائی۔ حضرت خدیجہ رضہ نے اگرچہ
انکے پہلے انتقال کیا تھا۔ لیکن اُسوقت جنازہ کی نماز نہیں پڑہی جاتی تھی۔

جنازہ کی نماز معراج کے بعد مقرر کی گئی جو مردوں پر اگرچہ فرض عین نہیں لیکن فرض
کفایہ ہی۔ عورتوں کے اوپر کسی طرح فرض نہیں۔ کیونکہ وہ نہایت رقیق القلب ہوتی ہیں اور
اپنے بیٹے۔ باپ بھائی۔ یا شوہر کے جنازہ میں کھڑے رہنے کی تاب نہیں لاسکتیں۔ اسی طرح
بعض ائمہ نے لکھا ہی کہ قبرستان کی زیارت بھی عورتوں کو نہیں چاہیے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم
ہوتا کیونکہ حضرت عائشہ رضہ کئی بار بقیع مدینہ کے مشہور قبرستان میں گئیں۔ علاوہ بریں قبروں کی
زیارت سے ایک عبرت حاصل ہوتی ہی اُس سے عورتوں کو محروم رکھنے کی کوئی معقول وجہ
نہیں ہی۔ بات یہ ہی کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت خیال رہا کرتا تھا
کہ جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے بعض اپنے بزرگوں کی قبروں کو درگاہ بنالیا ہی اور وہاں
جاکر اُنسے مرادیں مانگتے ہیں اسی طرح کہیں مسلمان بھی نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ اسی خیال سے آپنے
سب کو یعنی مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیدیا کہ کوئی قبر کی زیارت نہ کرے لیکن اسکے بعد کچھ زمانہ

گزرنے پر جبکہ اُمت کے دلوں میں توحید سما گئی۔ پھر آپ نے اجازت دیدی اور فرمایا کہ "میں نے تمکو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب اجازت دیتا ہوں کہ زیارت کرو۔ کیونکہ اُس سے آخرت یاد آتی ہے اور عبرت ہوتی ہے"۔ مگر اسکے ساتھ ہی آپ یہ بھی تاکید فرماتے رہے کہ تم قبرونکو درگاہ نہ بناؤ۔ اور یہ خیال مرتے دم تک آپ کو رہا۔ چنانچہ مرض الموت میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اللہ یہود اور نصارے پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اس سے اُمت کو تلقین مقصود تھی کہ وہ میری قبر کو سجدہ گاہ اور درگاہ نہ بنا دیں۔ آخر اللہ تعالے نے آپ کی قبر شریف کو اس سے محفوظ رکھا۔ وہاں نہ کوئی میلہ ہوتا ہے۔ نہ عُرس ہوتا ہے۔ نہ درگاہ لگتی ہے۔ نہ کوئی مرادیں مانگتا ہے۔ نہ کوئی منتیں مانتا ہے۔ لیکن اس اُمت کے جہلا نے اس تعلیم اور پیمان کو بھلا دیا۔ اور وہی کرنے لگے جسکا آنحضرت کو خوف تھا یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح انھوں نے بھی بزرگوں کے مزاروں کو درگاہ بنا لیا۔ وہاں عورتیں اور مرد جاتے ہیں اور اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ تم سوائے ایک اکیلے اللہ کے اور کسی سے مراد نہ مانگو۔ نہ مدد چاہو۔ اُسکے سوائے کوئی دوسرا نہ تمہاری مراد پوری کرسکتا ہے نہ حاجت روائی کی قدرت رکھتا ہے اور اُسکے سوائے کسی غیر سے مدد مانگنا شرک ہے۔ جو لوگ مر گئے وہ بیچارے تو ہماری مدد کے محتاج ہیں کہ ہم اُنکے لیے دعا کریں یا اُنکے واسطے صدقہ دیں نہ کہ اُنھیں کو تنگ کریں جنکو نہ کسی کام پر قدرت ہے نہ وہ ہماری باتوں کو سن سکتے ہیں۔ اگر اس ارادے سے یعنی کسی قبر سے فیضان حاصل کرنے کی نیت سے کوئی کسی قبر کی زیارت کرے تو ناجائز، شرک اور شریعت سے قطعاً حرام ہے۔ ہاں اگر صرف اس نیت سے زیارت کرے کہ عبرت حاصل ہو آخرت یاد دلائے تو کار ثواب ہے۔

ام المومنین ام سلمہؓ

انکا نام ہند تھا۔ یہ ابو امیہ خدیفہ کی بیٹی ہیں جو عرب کا بڑا مشہور شہسوار فیاض اور بہادر تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی ہیں ان کی والدہ عاتکہ بنت عامر کنانی تھیں بعض لوگوں نے جیسے صاحب روضۃ الاحباب یا صاحب بہجۃ المحافل وغیرہ نے غلطی سے عاتکہ بنت عبدالمطلب کو ان کی والدہ ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ معتبر تواریخ مثلاً سیرۃ شامی۔ اصابہ وغیرہ صریح الفاظ میں اس کی تردید کرتی ہیں۔ سرسید نے بھی عاتکہ بن عبدالمطلب ہی لکھا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسی بدیہی غلطی کا وہ امتیاز نہ کر سکے۔

ان کی پیدائش اسوقت ہوئی تھی جب آنحضرت کی عمر شریف ۱۳ سال کی تھی۔ بچپن ہی سے انکے حسن کا بہت شہرہ تھا اور نہایت تیز طبع اور ذکی تھیں۔ متعدد قبیلہ کے لوگوں نے انسے شادی کا پیغام دیا لیکن خاندان والوں نے ایسی لڑکی کو غیر قبیلہ میں دینا پسند نہیں کیا اور ان کی شادی انکے چچا زاد بھائی ابو سلمہ کے ساتھ کر دی۔ یہ دونوں میاں بیوی اسلام لا چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنیکا حکم دیا تو بعد عثمان رضؓ کے اولیت کی خصوصیت انھیں دونوں میاں بیوی کو نصیب ہوئی۔ یعنے سب سے پہلے یہی دونوں حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کئی سال تک رہے انکے بڑے بیٹے سلمہ جن کی وجہ سے انھوں نے اپنی کنیت ام سلمہ رکھی تھی حبشہ ہی میں پیدا ہوئے اسکے بعد مکہ میں واپس آئے کچھ روز کے بعد وہاں سے بھی مدینہ میں ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ ام سلمہؓ خود اس

پُردرد حکایت کو بیان کرتی ہیں کہ "میرے شوہر ابو سلمہ کے پاس ایک ہی اونٹ تھا اُنھوں نے اُس پر کجاوہ
کسا مجکو بٹھلایا۔ میری گود میں میرا ننھا بچہ سلمہ تھا۔ جب وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر لیچلے تو بنی مغیرہ
(میرے میکے کے لوگ) نے روک دیا اور کہا کہ کہاں اس ہماری لڑکی کو تم میدان اور جنگل میں
لیے پھروگے ہم ہرگز نہ جانے دینگے۔ یہ کہکر اُنھوں نے انکے ہات سے نکیل چھین لی۔ اسپر بنی عبد الاسد
(میری سسرال کے لوگ) بگڑ گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر تم لوگ اپنی لڑکی کو لیے جاتے ہو تو ہم اپنا
بچہ ہرگز نہ جانے دینگے۔ اور آخر سلمہ کو میری گود میں سے زبردستی سے چھین لیا۔ مجھے میرے میکے
کے لوگ لے آئے۔ میرے بچے کو سسرال والے لے گئے اور میرے شوہر کو چونکہ ہجرت کا حکم
تھا وہ [illegible] مدینہ کو چلے گئے۔ مجھے شوہر اور خاصکر بچے کی جُدائی کا جو رنج تھا
میں اُسکو زبان سے نہیں ادا کر سکتی۔ ابطح (میدان میں ایک ٹیلہ ہی) پر آکر بیٹھ جاتی اور دن بھر رویا
کرتی کتنا ہی اپنے دل کو سنبھالتی لیکن آنکھوں کے آنسو نہیں رکتے تھے۔ اسی طرح سات آٹھ دن
گزر گئے قبیلہ کے ایک آدمی نے میری حالت زار دیکھکر قبیلہ کے سرداروں کو متوجہ کیا۔ اُنھوں
نے اب مجھے اجازت دیدی کہ میں مدینہ چلی جاؤں۔ بنی عبد الاسد نے سلمہ کو بھی میرے پاس بھیجدیا
اور میں اپنے اکلوتے ہونہار بیٹے کو گود میں لیکر ایک اونٹ پر تن تنہا سوار ہوئی اور مدینہ کی طرف
چل نکلی۔ نہ راستے معلوم تھے نہ مقامات۔ توکل بخدا چلی جاتی تھی۔ تنعیم (مدینہ کے راستہ میں ایک مقام
کا نام ہی) میں پہنچکر عثمان بن طلحہ مجھ کو ملا۔ اس بیچارے نے جب میری حالت دیکھی تو مدینہ کی
طرف محض میرے پہنچانے کے لیے واپس پھرا۔ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے برابر دن بھر چلتا
تھا۔ منزل پر پہنچکر اونٹ کو باندہ کر اُسکے پاس آپ پڑ رہتا تھا اور ہمکو منزل پر ٹھہرا دیتا تھا۔ اسی طرح
کئی دن کے بعد جب ہم موضع قبا میں پہنچے تو اُسنے کہا کہ یہیں تمہارا شوہر ابو سلمہ مقیم ہی اور مجکو
اُنھیں کے پاس لیجا کر پہنچا دیا۔ مینے عثمان سے زیادہ ہمدرد اور مصیبت میں کام آنیوالا آدمی

نہیں دیکھا" ام سلمہؓ پہلی مسلمان بیوی ہیں جو مدینہ میں ہجرت کرکے گئیں۔ ام سلمہؓ کے شوہر ابوسلمہ بہت بڑے صحابی تھے جنگ بدر میں ۳ھ ہجری میں قتل ہوگئے۔ مدینہ میں انکے ایک بیٹے عمر اور ایک بیٹی درہ پیدا ہوئی تھی۔ اور جسوقت ان کی شہادت ہوئی اسوقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں۔ اس سے زینب پیدا ہوئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ کہلاتی ہیں۔ جب وضع حمل کے بعد انکی عدت پوری ہوگئی۔ تو لوگوں نے نکاح کا پیغام دینا شروع کیا۔ لیکن انکو اسقدر صدمہ تھا کہ قطعی ارادہ کرلیا تھا کہ اب اپنے انھیں بچوں کی پرورش میں دل بہلاؤنگی اور دوسری شادی نکرونگی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی نکاح کا پیغام دیا لیکن اُنھوں نے نامنظور کیا۔ سب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے پاس پیغام بھیجا۔ اُنھوں نے جوابدیا کہ میری طبیعت نہایت غیور (غیرت دار) واقع ہوئی ہے۔ علاوہ بریں میں عیالدار ہوں۔ اور میرا کوئی ولی یہاں موجود نہیں ہے جس سے میں کچھ کہوں یا مشورہ لوں۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ نکاح کرنے کو ناپسند نہ کریگا۔ تمہارے عیال کی ذمہ داری میرے متعلق ہوگی۔ اور تم جسقدر غیور ہو اُس سے زیادہ میں خود غیرت دار ہوں۔ یہ سُنکر وہ راضی ہوگئیں اور اُنکے بیٹے سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکا نکاح کردیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جب ام سلمہؓ سے آنحضرت کا نکاح ہوا تو مجکو بیحد تردد تھا۔ کیونکہ مینے سُنا تھا کہ وہ نہایت حسین ہیں۔ اسلیے میرا خیال تھا کہ انھیں کی طرف آنحضرت کا میلان بجائے میرے زیادہ ہوجائیگا۔ جب نکاح کے بعد ہم سب دیکھنے کے لیے گئے تو میں نے جسقدر اُنکے حُسن کے اوصاف سُنے تھے اُس سے دُگنا اُنکو حسین پایا۔ حفصہ سے میں نے یہ کیفیت بیان کی۔ [illegible] نے کہا کہ بیشک وہ بہت حسین ہیں لیکن اُسکے ساتھ ہی بہت نیک اور عقلمند بھی ہیں اسلیے [illegible] خوف نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگوں سے اُنکو کسی قسم کی کشیدگی ہوگی۔ آخر ایسا ہی ہوا

یعنی جب ہم لوگوں کے ساتھ وہ رہنے سہنے لگیں تو معلوم ہو گیا کہ جسقدر اللہ تعالےٰ نے اُن کو حسن کی دولت دی تھی اُس سے کہیں زیادہ دانشمندی اور نیکی کی نعمت عطا فرمائی تھی اُنکی عقلمندی کا ایک معمولی نمونہ وہی ہی جو حدیبیہ کے موقع پر ظہور میں آیا۔

حدیبیہ کا قصّہ یہ ہی کہ جب صلح نامہ حدیبیہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اچھا اب تم لوگ قربانی کرو اور بال منڈواؤ تو کوئی مستعد نہیں ہوا۔ سب خاموش بیٹھے رہے۔ جس کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ صلحنامہ لکھنے میں جو آنحضرت نے بعض ناجب شرائطوں کو جو مسلمانوں کے خلاف تھیں پیش بینی کے لحاظ سے منظور فرما لیا تھا اور جسپر مسلمانوں نے آپ کے سامنے دیر تک بحث و مباحثہ کیا تھا اُس سے اُنکے دلوں میں ایک اُلجھن سی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے تین بار حکم دیا کہ اب قربانی کرو اور سر منڈواؤ لیکن کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ آپ نہایت کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمے میں چلے آئے۔ اور اُنسے یہ سب کیفیت بیان کی اُنھوں نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہی کہ آپ خود جائیں اور کسی سے نہ بولیں قربانی کریں اور خود موئے مبارک ترشوائیں پھر سب لوگ خود ہی ترشوائینگے۔ چنانچہ آپ نے اسی رائے پر عمل کیا۔ پہلے چپ چاپ جا کر قربانی کی۔ پھر حجام کو بُلوا کر بال ترشوائے لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً اپنے اپنے جانور لا کر ذبح کیے اور بلا انتظار حجام کے خود ہی ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے اور ایک عجیب ہلچل سی مچگئی۔ کئی لوگوں کے اس گڑبڑ میں سر میں بھی زخم آگئے۔ اور آخر حضرت ام سلمہؓ کی یہ تدبیر تیر سہم کی طرح کارگر ہوئی۔ وہ جانتی تھیں کہ بہ نسبت کہنے کے عملی مثال قائم کر دینے کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہی۔

حضرت ام سلمہؓ کا شیوہ تھا کہ وہ ہر ایک سے نہایت مجسّم نرمی سے ملتی اور رہتیں کبھی دیگر ازواج مطہرات سے اُنکی اَن بَن نہیں ہوئی۔ نہایت متقی عبادت نے رالا آدم حق اللہ

وحق العباد کو ادا کرنیوالی بیوی تھیں۔ علم حدیث میں انسے بھی بہت سی روایتیں آئی ہیں۔

ان کی وفات شوال کے مہینہ میں ۶۱ سنہ ہجری میں ہوئی۔ اسوقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بی بیوں میں سب سے آخر میں انھیں کا انتقال ہوا۔ ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گئی تھیں اُسوقت یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ سعید بن زید پڑھائیں لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اُنکو شفا بخشی۔ اسکے بعد جس زمانہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اُسی زمانہ میں انکا انتقال ہوا۔ کہا کرتی تھیں کہ میں کیا اسی لیے باقی رکھی گئی ہوں کہ رسالت کے پھول کی پنکھڑیاں بادِ حوادث میں بکھری ہوئی دیکھوں۔؟

انکے جنازہ میں صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی جماعت شریک تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ انکے دفن کے بعد امہات المومنین کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اسلام کی وہ مقدس خاتونیں جنکو اُس معزز دین و دنیا کے بادشاہ کے پہلو میں سونے کا فخر حاصل تھا۔ ایک ایک کرکے اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔

ام المومنین زینب بنت حجش رضؓ

زینب بنت حجش رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی زاد بہن تھیں۔ اور یہ قرب رشتہ کی ایسی خصوصیت تھی جو آپ کی کسی دوسری بی بی کو میسر نہ تھی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ وغیرہ اگرچہ قریشی تھیں لیکن ایسا قریبی تعلق اُن کا آنحضرت سے نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زینب رضؓ اپنی اس خصوصیت پر فخر کیا کرتی تھیں۔ زینب رضؓ کے باپ کا نام حجش تھا۔ اور اُنکی ماں امیمہ تھیں جو عبدالمطلب کی بیٹی اور عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی حقیقی بہن تھیں ان کی ولادت تیس سال ہجرت کے قبل ہوئی تھی۔ انکا حُسن بہت مشہور تھا۔ اور قریش کی نہایت ممتاز لڑکیوں میں تھیں۔ عرب میں نکاح کے لیے نہ کوئی عمر مقرر تھی نہ اسکا کچھ خیال کیا جاتا تھا۔ کبھی تو پانچ ہی چھ سال کی لڑکی بیاہی جاتی تھی۔ کبھی تیس تیس چالیس چالیس برس تک نکاح نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح مرد اور عورت کی عمر کی مناسبت کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ پچاس سال کا مرد دس سالہ لڑکی سے شادی کرلیتا تھا اور پچاس سالہ عورت پندرہ بیس برس کے نوجوان سے نکاح کرتی تھی۔ یہ طریقہ اُن میں ایسا رائج ہوگیا تھا کہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں شادی کرنے میں مرد اور عورت برابر کا اختیار رکھتے تھے۔ عورت کے لیے صرف یہ قید ضروری تھی کہ نکاح کے وقت اسکا ولی حاضر رہے اسلیے کہ بہت سے کاروبار ایسے ہوتے ہیں جنکو عورت بلا کسی اپنے معتمد کے نہیں انجام دیسکتی۔ ورنہ مردوں کی طرح وہ جس جاہے نکاح کا پیغام دے سکتی تھی یا کوئی پیغام حسب منشا نہو تو انکار کرسکتی تھی۔ حضرت زینب رضؓ

بھی جب ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں تو اسوقت کنواری تھیں اگرچہ ان کی عمر تیس سال کی ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نکاح سـ۳ـہ میں زید بن حارثہ سے کر دیا جسکو آپ نے متبنے بنا لیا تھا۔ زید کا قصہ یہ تھا کہ یہ عرب کے مشہور قبیلہ بنی طے میں سے تھے جسمیں حاتم گزرا ہی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کی ماں سعدی انکو لیکر کہیں جاتی تھیں۔ لیٹروں نے حملہ کیا۔ اور سب کو مار کاٹ کر تمام مال و اسباب چھین لیا۔ زید کو بھی پکڑ لے گئے اور عرب کے مشہور بازار عکاظ میں غلاموں کے ساتھ انکو بیچنے کے لیے لے گئے۔ حضرت خدیجہ رضہ نے چارسو درہم پر خرید لیا۔ اسوقت زید کی عمر ۸ یا ۹ سال کی تھی۔ جب حضرت خدیجہ رضہ نے اپنا تجارت کا کاروبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تو آپ کے پاس زید اکثر آتے تھے۔ زید کی ہونہاری۔ نیک طینتی دیکھکر آنحضرت اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضہ نے جو بہت بڑی فیاض تھیں زید کو آنحضرت کی ملک میں دیدیا آپ نے فوراً اُنکو آزاد کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بنی طے میں سے زید کے چچا وغیرہ جب مکہ میں آئے تو اُنھوں نے زید کو پہچان لیا اور چاہا کہ ساتھ لیجائیں۔ گو حضرت مانع نہیں تھے لیکن زید نے آپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اور آخر نہیں گئے۔ حضرت کو جب معلوم ہو گیا کہ زید دراصل غلام نہیں ہی بلکہ یہ ایک معزز قبیلہ کا لڑکا ہی تو آپ نے اُنکو متبنے کر لیا۔ اُسی وقت سے یہ زید بن محمدؐ مشہور ہو گئے لیکن چونکہ عرصہ تک غلام رہ چکے تھے اسوجہ سے بعض لوگ پھر بھی انکو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نکاح ام ایمن سے کر دیا۔ جن کی گود میں خود آنحضرت نے پرورش پائی تھی۔ اُنسے اسامہؓ پیدا ہوئے جو بڑے جری اور بہادر شہسوار مشہور رہیں۔ ام ایمن کا جب انتقال ہو گیا تو زید کا نکاح زینب بنت جحش رضہ سے زور دیکر آپ نے کرایا۔ کیونکہ زینب رضہ نہایت معززہ اور ممتاز تھیں وہ ایسے شخص سے نکاح کرنا نہیں چاہتی تھیں جو غلام کہلاتا ہو حضرت نے

بڑا اصرار کیا۔ اور اُسی زمانہ میں یہ آیت بھی اُتری کہ "جب اللہ یا اُسکا رسول کوئی حکم دے تو کسی کو اختیار سرتابی کا نہیں ہے" اس سے زینب مجبور ہو گئیں اور آنحضرت کے حکم کی مطابق اُنکا نکاح زیدؓ سے ہو گیا۔ لیکن نکاح کے بعد میاں بی بی میں موافقت نہیں ہوئی۔ کیونکہ زینبؓ زیدؓ کو بوقعت سمجھتی تھیں۔ اُن کی بات اُنکا حکم پورے طرح پر نہیں مانتی تھیں۔ آخر یہ ہوا کہ زینبؓ کو زیدؓ نے طلاق دیدیا۔ آنحضرت نے بھی بہت کوشش کی لیکن نباہ کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ طلاق ہونے کے بعد زینبؓ سے کوئی نکاح کا پیغام نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک غلام کی بیوی مشہور ہو چکی تھیں۔ اس وجہ سے حضرت زینب بہت پریشان ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا بہت خیال تھا اس لیے کہ آپ ہی نے زید سے اُنکا نکاح کرایا تھا۔ مجبوراً جب اُنکا کہیں ٹھکانا نہیں لگا تو آپ نے خود ارادہ کیا کہ اُنسے نکاح کر لیں۔ اور اُنکے پاس پیغام بھیجا۔ زینب بیحد خوش ہوئیں اور شکرانہ کا سجدہ ادا کیا۔ اس نکاح کا ارادہ آپ کے دلمیں وحی کے ذریعہ سے پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں موبہ بولے بیٹے کی بیوی حرام خیال کیجاتی تھی۔ اسلیے اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہوئی کہ تم اُس سے نکاح کرو تاکہ یہ رسم باطل مٹجائے اسکا بیان قرآن شریف میں اس طرح پر ہوا ہے "فلما قضی زید منہا وطرا زوجنکھا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منہن وطرا۔ (جب زید نے اُس سی اپنی حاجت پوری کر لی ہم نے اُسکو تجھ سے بیاہ دیا تاکہ مومنیں کو اپنے موبہ بولے بیٹوں کی بی بیوں کی نسبت کوئی خرخشہ نہ رہے جبکہ وہ اپنی حاجت اُنسے پوری کر چکیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اُنسے ۵ھ میں ہوا۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ مجکو چونکہ معلوم تھا کہ زینبؓ نہایت حسین اور شریف الطبع ہیں اس لیے یہ خیال پیدا ہوا کہ اُنسے نکاح کرنے کے بعد اُنھیں کی طرف حضرت کی رغبت اور محبت زیادہ ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تمام بی بیوں میں وہی میرا مقابلہ کرتی تھیں۔ حضرت بھی اُنکو بہت پسند کرتے تھے۔ اور اُنکے پاس بہت بیٹھتے تھے۔ کیونکہ وہ نہایت نیک راستباز عبادت گزار اور متورع تھیں باوجود رقابت اور مقابلہ کے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب لوگوں نے مجھ پر تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب سے میری نسبت پوچھا۔ زینبؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں جہانتک جانتی ہوں عائشہ مجسم بھلائی ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ زینبؓ میں کسقدر نفس کشی تھی اور کیسی راستباز تھیں۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ زینب ایسی نیک اور سخی عورت میں سنے بہت ہی کم دیکھا۔ انکا یہ دستور تھا کہ چمڑے کو دباغت دیتی تھیں۔ اُس کی جسقدر آمدنی ہوتی تھی وہ محلے کے غریبوں یتیموں کو دیدیتی تھیں حسین عورتیں اکثر آرائش کی خواستگار ہوتی ہیں۔ لیکن زینبؓ کو اسکا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہؓ جو ان کی مدمقابل تھیں وہ آرائش کرتی تھیں۔ اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے وہ اچھے کپڑے زیورات۔ آئینہ وغیرہ زیبائش کی چیزوں کی خواہشمند رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے کمرہ میں اُنھوں نے ایک منقش پردہ لٹکا رکھا تھا کہ اسکو دیکھکر حضرت خوش ہونگے۔ لیکن جب آپ وہاں نماز پڑھنے لگے تو کہا کہ عائشہ اسکو ہٹا دو اس سے توجہ بٹتی ہی۔ مگر زینبؓ مطلق ان مزخرفات کی طرف مائل نہیں ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے اندر بھی یہ خیال دنیا داری کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ انکے لڑکپن کا مقتضا تھا کہ وہ ایسی چیزوں کو پسند کرتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی اُنکی نیکی کی وجہ سے بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مال غنیمت کہیں سے آیا تھا۔ آنحضرت مہاجرین اور انصار میں اُسکو تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینبؓ بھی اُس میں کچھ بولیں۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹ دیا کہ تم خاموش رہو۔ آپ نے فرمایا عمر اس سے کچھ نہ کہو واللہ وہ بڑی نیک اور غریبوں کی ہمدرد ہی۔ حضرت عمرؓ

کی خلافت کے زمانہ میں بارہ ہزار درہم سالانہ اُنکو ملتا تھا۔ لیکن یہ سب غ با میں تقسیم کردیتی تھیں
ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اُنھوں نے اپنی تمام آمدنی خیرات کرڈالی۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا
تو وہ آئے اور ایک ہزار درہم اور بھی سامنے رکھدیا۔ حضرت زینبؓ پردے کی آڑ میں بیٹھی
ہوئی تھیں۔ اُسی وقت برّہ کو حکم دیا کہ تم لیجا کر اسکو تقسیم کردو۔ اور دعا کی کہ یا اللہ میں مال
و دولت کے فتنہ میں نہ پڑوں۔ آخر اسی سال ۲۰ھ میں اُنکا انتقال ہوگیا۔ اور بقیع میں دفن
کی گئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر پچاس سال کی تھی۔ جب مرنے لگیں تو کہا کہ میں نے
ایک کفن اپنے لیے طیار کر رکھا ہے جب میں مرجاؤں گی تو عمرؓ ضرور میرے لیے کفن بھیجینگے
اس لیے دونوں میں سے ایک کفن میری طرف سے خیرات کردینا۔ چنانچہ اُن کی بہن حمنہ
نے ایک کفن انتقال کے بعد صدقہ کردیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "زینبؓ کا مرنا یتیموں اور
بیواؤں کی موت تھی۔ (کیونکہ وہ ان کی خبرگیری کرتی تھیں) اُس کی زندگی پاک اور مقدس
زندگی تھی اور وہ یسی اچھی دنیا سے گئی کہ لوگ اُس کی تعریف کرینگے۔" یہ الفاظ اُنکی تعریف
میں حضرت عائشہؓ کی زبان سے نکلے ہیں جنسے عمر بھر اُنکا مقابلہ رہا۔ کیا کوئی اس کی نظیر اس وقت
بھی مل سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں سچائی اور حق شناسی اسقدر بڑھ گئی
تھی کہ وہ دشمن سے دشمن کی تعریف کے قابل بات کی تعریف کرنے سے باز نہیں رہ سکتی
تھیں۔ اور حق گوئی اور انصاف سے رُک جانے کو نہایت تنگ خیالی سمجھتی تھیں۔ اسکی وجہ
نہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمان تھیں۔ کیونکہ آج دنیا میں کیا نہیں مسلمان ہیں۔ لیکن ایسے اوصاف
اُن میں کہاں ہیں۔ بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر تھا جسنے انکو ایسا عالی
خیال۔ بلند حوصلہ۔ راستباز بنا دیا تھا۔ یہی اسلام کے اصل اوصاف ہیں جنکی وجہ سے ایک
عالم نے اسکو تسلیم کیا اور ایمان لائے آج کل کے مسلمان مرد یا عورتیں صرف رسمی یا عقیدہ کے

مسلمان کہے جا سکتے ہیں ورنہ ان میں وہ خوبیاں بہت کم ہوتی ہیں جو اسلام ہر ایک شخص میں پیدا کرنا چاہتا ہی۔ صرف اعتقاد رکھ لینے سے مذہب کا اثر عمدہ نہیں پڑ سکتا تاوقتیکہ اُسکی تربیت اور صحبت اچھی نہو۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہی کہ انسان میں کچھ فطرتی اثرات بھی ہوتے ہیں یعنی ماں باپ کے اوصاف کی جھلک اُس میں نمایاں ہوتی ہی۔ لیکن ان اثرات کو فطرت کی طرف منسوب کرنا میرے خیال میں غلطی ہی۔ بلکہ یہ تربیت اور صحبت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ چونکہ بچے کا دل بالکل سادہ رہتا ہی اور پہلے پہل اپنے ماں باپ ہی کے آغوش میں وہ دنیا کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتا ہی اسلیے اُنکے اخلاق وعادات اور معاشرت کا گہرا نقش اُس کی طبیعت پر بیٹھ جاتا ہی اگر پہلے ہی پہل وہ دوسروں کی گود میں دیدیا جاسے تو اُنکے اخلاق اور عادات سیکھ لیگا اس لیے انسان کو اپنی اور اپنے بچوں کی اچھی صحبت اور تربیت کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور یہی دو چیزیں ہیں جنسے وہ معزز اور ممتاز ہو سکتا ہی۔ صرف تعلیم اخلاق اور معاشرت کی درستگی کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔

ام المومنین ام حبیبہؓ

ام حبیبہؓ اُس معزز باپ کی بیٹی ہیں جو عرب میں بحیثیت جاہ۔ مرتبہ اور الوالعزمی کے اپنے زمانے میں سب سے ممتاز شخص تھا۔ یعنی ابو سفیان بن حرب۔ یہ وہ شخص ہے کہ جسکے بیٹے حضرت امیر معاویہؓ اور جس کے اخلاف کے ہاتوں میں صدیوں تک خلافت اسلام کی باگ رہی۔ اور جنھوں نے الوالعزمی اور بہادری سے اعلاء کلمۃ الحق کے لیے وہ جان توڑ کوششیں کیں جو اسلام کے صفحات تاریخ پر سورج کی طرح چمکتی رہیں گی۔ ان لوگوں نے نہ صرف مشرقی ممالک میں اسلام کو فروغ دیا بلکہ یورپ اور افریقہ کے گنجان جنگلوں اور تاریک غاروں کو بھی اُسکے نور سے منور کر دیا۔ سپین (اندلس) کی زبردست سلطنت انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ قرطبہ انھیں کا پایہ تخت تھا جو تمام عالم کے طلاب علوم کا صدیوں تک مرکز بنا رہا

ابو سفیان جو سیکڑوں اسلامی خلفاء کا پُرشان دادا ہے بنی امیہ کا جو تمام عرب میں سب سے بڑا طاقتور قبیلہ تسلیم کیا جاتا تھا سردار تھا۔ شاہان فارس و روم کے دربار میں اسکی بڑی عظمت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رسالت کا دعوی کیا تو اسی شخص کی مخالفت نے اُن کی مبارک کامیابیوں میں بہت کچھ رکاوٹ ڈال رکھی تھی اور اُحد وغیرہ کی مشہور لڑائیاں آنحضرت انھیں کے ساتھ لڑے تھے۔ اور جب یہ مسلمان ہوگئے تو یہ خود اور انکے معزز بیٹے امیر معاویہ اور یزید بن ابی سفیان وغیرہ نے اسلام کی ویسی ہی خدمت بھی کی جیسی اُس کی مخالفت کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کی والدہ کا نام صفیہ تھا جو ابو العاص ایک نہایت معزز سردار کی بیٹی تھیں۔ دادیہال اور ننہال دونوں طرف سے ام حبیبہؓ کا حسب و نسب نہایت معزز تھا اور خود انکے اندر بھی عقلمندی۔ سیرچشمی اور خودداری کے بلند خیالات جو ایک سردار گھرانے کے بیٹے میں ہونے چاہئیں موجود تھے۔ ان کی ولادت بعثت سے ۱۷ سال قبل ہوئی تھی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۳ سال چھوٹی تھیں۔ جسوقت آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو باوجود اسکے کہ ابوسفیان انکے باپ آنحضرت کے سخت مخالف تھے لیکن انھوں نے اسلام کی حقّانیت کو سمجھا اور بلا کسی پس و پیش کے مسلمان ہوگئیں۔ انکے شوہر عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ کفار کی سخت گیری سے ان دونوں میاں بیوی کو بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن وہاں عجیب معاملہ پیش آیا یعنی انکا شوہر عبید اللہ عیسائی ہوگیا۔ اس کی وجہ سے ان کے دل میں اُس سے اسقدر نفرت پیدا ہوگئی کہ فوراً ہی الگ ہوگئیں۔ اور ایک دم کے لیے بھی یہ گوارا نہ کیا کہ انکا اسلام اُس کی عیسائیت کے ماتحت ہو کر رہے۔ کچھ دنوں کے بعد عبید اللہ عیسائیت ہی کی حالت میں مرگیا۔ اُس سے ایک بیٹی حبیبہ پیدا ہوئی تھی جسکے نام سے انہوں نے اپنی کنیت ام حبیبہؓ رکھی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فوراً شرجیل حسنہ کو نجاشی حبشہ کے پاس روانہ کیا کہ وہ بذریعہ وکالت میرا نکاح ام حبیبہ سے کر دے اور مہر دیدے۔ نکاح کے قصّہ کو ام حبیبہؓ خود ہی بیان کرتی ہیں "کہ میں تن تنہا اس حبشہ کے ملک میں بہت گھبراتی تھی میرا شوہر عبید اللہ جس سے مجھ سے پہلے سے جُدائی ہوچکی تھی جب مرگیا تو اُسکے چند روز کے بعد ہی ایک لونڈی ابرہہ نامی جو کبھی کبھی پہلے بھی میرے پاس آیا کرتی تھی نہایت خوش خوش آئی اور کہنے لگی کہ بادشاہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ سے نکاح کے اُس پیغام کی

کیفیت کہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی نسبت اُسکے پاس کہلا بھیجا ہی۔ یہ سُنکر مجھکو اسقدر خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ فوراً اپنے ہات سے دو چاندی کے کڑے نکالکر اسکو انعام میں دیدیے۔ اُسنے کہا کہ تم اپنی طرف سے بھی کسی کو وکیل کردو کہ وہ نکاح کرادے مینے خالد بن سعید کے پاس کہلا بھیجا۔ رات کو نجاشی آیا۔ اُسنے اُن تمام مسلمانوں کو جمع کیا جو عرب سے ہجرت کرکے وہاں گئے تھے۔ جب سب آگئے تو میرا نکاح آنحضرت کے ساتھ کردیا۔ میری طرف سے خالد بن سعید نے ایجاب وقبول کیا۔ بعد نکاح کے اُسنے چار سو دینار مہر میں دیے (دینار ہندوستان کے موجودہ سکہ سے تقریباً ڈہائی روپیہ کے برابر ہوتا ہی اس حساب سے چارسو دینار کے ایکہزار روپئے ہوئے۔ یہی سب سے بڑی مہر ہی جو آنحضرت نے اپنی کسی بیوی کو دی) جب وہ دینار میرے پاس پہنچے تو مینے اُس میں سے پچاس دینار اُس لونڈی کو دیے جو میرے پاس پیغام لائی تھی۔ مگر باوجود سخت اصرار کے بھی اُسنے واپس کردیا۔ اور کہا کہ میں یہ انعام نہ لونگی کیونکہ نجاشی نے مجھکو انعام میں ایک معقول رقم دینے کا وعدہ کیا ہی۔ خیر نکاح ہونے کے بعد جب سب لوگ اُٹھنے لگے تو نجاشی نے کہا کہ کوئی نہ اُٹھے۔ کیونکہ انبیا کے نکاح کی سنت ہی ولیمہ۔ اسلیے سب لوگ ولیمہ کھاکر تب کہیں جائیں۔ چنانچہ اُسی وقت عثمان بن عفان رض نے ولیمہ کھلایا اور سب لوگ واپس چلے گئے۔ تیسرے دن ابرہہ کے ہات بہت سی مشک اور عنبر نجاشی نے میرے پاس بھیجی۔ اور اُسکے کچھ عرصہ کے بعد شرحبیل حسنہ کے ہمراہ مجھکو مدینہ رخصت کردیا۔

انکا نکاح آنحضرت کے ساتھ سنہ ۶ھ کے آخر میں ہوا تھا۔ اور وداع سنہ ۷ھ میں ہوئی۔

بعض مفسر بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں یہ آیت جو نازل ہوئی ہی کہ (عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منہم مودۃ) قریب ہی کہ اللہ تم میں اور تمہارے دشمنوں کے

درمیان میں دوستی کرا دیگا" اس کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت کی شادی ام حبیبہؓ کے ساتھ ہو جائیگی تو ابوسفیان کی عداوت مٹ جائیگی اور دوستی پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ سب سے زبردست مخالف آنحضرت کے عرب میں ابوسفیان ہی تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے سُنا کہ آنحضرت نے ام حبیبہ سے نکاح کرلیا تو ذرا بھی دل میں اُنکے رنج نہیں ہوا۔ بلکہ خوش ہوے اور کہا کہ وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا جوانمرد ہے کہ اُس کی عزت پر کسی قسم کا دھبہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب اور خاصکر سرانِ عرب مذہب اور دولت کا شادی میں زیادہ لحاظ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ دیکھتے تھے کہ اُسکا خاندان اور حسب نسب کیسا ہے اور وہ بہادر اور عزت دار بھی ہے یا نہیں انھیں وجوہات سے باوجود سخت مخالفت کے بھی ابوسفیان اس شادی کی کیفیت سُنکر خوش ہوا۔ اور اُسنے حضرت کی تعریف کی۔

شادی کے متعلق بہت بحث اور مباحثہ کے بعد عقل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ طرفین سے سب سے پہلے جس چیز کے دیکھنے کی ضرورت ہے وہ میاں اور بی بی کے خیالات کا اتحاد ہے۔ یعنی وہ ایسے متغائر نہوں کہ ایک خوش گزران زندگی میں اُنکی وجہ سے خلل پڑسکے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خاندان اور طرز معیشت قریب قریب ہوں اگر میاں اور بی بی کے گھرانوں کی معاشرت بالکل ہی ایک دوسرے سے اجنبی ہوگی تو معیشت کا لطف مشکل سے حاصل ہوسکیگا۔ اسی لیے مذہب اسلام نے تاکید کی ہے کہ ہم کفو سے شادی کرو۔ کفو کے اصلی معنی یہی ہیں کہ وہ خاندان اور گھرانے جنکا طرز معاشرت متحد ہو۔ یہ چیزیں ابتدا میں دیکھ لینی نہایت ضروری ہیں۔ انکے بعد حسن و جمال۔ دولت اور عزت کا خیال کرنا چاہیئے۔ اور حسب و نسب کو جو لوگ ضروری سمجھتے ہوں اُنکو اسکا بھی اختیار ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے بعد تک ابوسفیان مسلمان نہیں ہوے تھے لیکن اُنکا کچھ

میلان ضرور ہو چلا تھا اسلیے کہ اُس کی حقانیت کا نور اُنکے دل میں اثر کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ مدینہ بھی آئے کہ اہل اسلام کی حالت پر غور کریں۔ حضرت ام حبیبہؓ ایسی پکی مسلمان تھیں کہ جب وہ انکے مکان میں انکے دیکھنے کے لیے آئے تو انھوں نے انکو دیکھتے ہی فوراً وہ گدا اٹھا لیا جسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے۔ ابو سفیان نے کہا کہ کیا اس نیت سے تم نے اُٹھا لیا کہ میں اسپر نہ بیٹھ سکوں حضرت ام حبیبہؓ نے کہا کہ ہاں تم مشرک ہو اور یہ فرش رسول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری بیٹی تو بُرائی میں گرفتار ہو گئی۔ لیکن اس کہنے کے بعد وہ نہایت خوشی سے بیٹھے رہے اور دیر تک باتیں کیں۔ اُس معزز سردار کی پیشانی پر شکن بھی نہ آیا اور اُسنے سمجھ لیا کہ یہ فعل ایک مذہبی جوش سے سرزد ہوا ہے جسپر ملامت روا نہیں۔ اور پھر تو چند مہینہ کے بعد وہ خود ہی مسلمان ہو گئے۔ گو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ امر حضرت ام حبیبہؓ کی بلند نظری کے خلاف تھا۔ کیونکہ آنحضرت خود کافروں اور خاصکر اُنکی جو کہ سردار ہوتے تھے بڑی عظمت کرتے تھے اور اپنے فرش پر بٹھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ہر ایک کو تاکید کرتے تھے کہ تم اپنے قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کرو خواہ وہ کافر ہوں یا مشرک لیکن حضرت ام حبیبہؓ ایک مردانہ جوش رکھتی تھیں اس لیے وہ اپنے مذہب کے خلاف کسی کی وقعت نہیں سمجھتی تھیں۔

انکی جب وفات ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ کو بلایا اور کہا کہ ہم میں تم میں شاید کوئی ایسی بات ہو گئی ہو جس سے تمھارا دل دُکھا ہو۔ تم معاف کرو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مینے معاف کیا۔ اور اُنسے بھی معافی مانگی اور اُنکے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اسی طرح تمام ازواج مطہرہ کو بلوا کر اُنھوں نے معافی مانگی۔ اُنکا انتقال مدینہ میں سنہ ۴۴ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

انسے بھی بہت سے لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ انکا حافظہ بہت قوی تھا۔ اور نہایت صاحب درایت تھیں۔

ام المومنین جویریہؓ

انکا نام برّہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو آپ نے جویریہ رکھدیا۔ انکے باپ حارث بن ابی ضرار تھے جو قبیلہ بنی المصطلق کے سردار تھے۔ قبیلہ بنی المصطلق بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھا۔ اور یہ بلحاظ حسن عرب کے تمام قبائل میں ممتاز تھا۔ ان کی والدہ کا نام ہمکو کسی تاریخ سے نہیں ملسکا۔ اور نہ انکے سن پیدائش کی کیفیت معلوم ہوئی۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ ان کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور چونکہ انکا سن وفات سنہ ۵۶ ہجری ہے اس لیے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہجرت سے ۹ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ یعنی حضرت عائشہ رضہ سے دو سال بڑی تھیں۔ انکے باپ حارث نے انکا نکاح اپنے ہی قبیلے کے ایک نوجوان مسافع بن صفوان کے ساتھ کردیا تھا۔ جو ایک مشہور بہادر تھا۔

سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق سے لڑنے کے لیے گئے اور وہاں فتح پائی تو یہ بھی منجملہ اپنی تمام قوم کے مسلمانوں کے ہاتوں میں گرفتار ہوگئیں۔ یہ لڑائی ایک معمولی سی لڑائی تھی آنحضرت جب میدان میں تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ حریف میں مقابلہ کی طاقت بہت کمزور ہے اسلیے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ تم انسے کہدو کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہوجائیں تو انکا مال۔ انکی عزت آبرو سب محفوظ رہیگی۔ اور یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ہمارے بھائی ہوجائینگے۔ حضرت عمرؓ نے حسب الحکم اُنکے اوپر اسلام پیش کیا لیکن حارث جویریہ کا باپ بڑا منچلا اور بہادر شہسوار تھا اُسنے نہیں تسلیم کیا اور لڑائی ہی کرنے پر مجبور کیا۔ اُسوقت اسلامی لشکر کو

آپ نے حکم دیا اسنے حملہ کرکے دس سرداروں کو مار ڈالا اور باقی سب کو گرفتار کرلیا۔یہی ایک لڑائی ایسی ہوئی ہے کہ اس میں کوئی مسلمان شہید نہیں ہوا۔حارث اپنی چالاکی سے نکل بھاگا لیکن اُسکا تمام قبیلہ مسلمانوں کے ہات میں قید ہوگیا۔ بچے۔عورتیں۔جوان۔بوڑھے سبھی تھے۔کیونکہ اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ جب کہیں لڑنے تھے تو تمام گھرانا اُنکے ساتھ ہوتا تھا۔عورتیں اور چھوٹے لڑکے جو لڑائی کے قابل نہیں ہوتے تھے وہ لڑنے والوں کی خدمت انجام دیتے تھے۔اور گویا یہی اُس زمانہ کا کمسریٹ تھا۔

اس لڑائی میں علاوہ اسکے کہ تمام قبیلہ بنی مصطلق کا قید ہوگیا تھا دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی مال غنیمت میں ملی تھیں شقران حبشی جو حضرت کا غلام تھا اُسکو آپنے یہ تمام مال غنیمت سپرد کیا۔اور وہ مدینہ میں لایا۔جب یہاں آکر سب مال اور لونڈی غلام تقسیم کیے گئے تو جویریہؓ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں پڑیں۔ثابت بھی چونکہ خزاعہ قبیلے سے تھا اور بنی مصطلق سے اُسکا قریبی رشتہ ملتا تھا اسلیے اُسنے جویریہؓ کو اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ ایک معینہ رقم ادا کریں۔جویریہؓ چونکہ جانتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت فیاض طبع ہیں اس لیے انھیں کے پاس آئیں۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مینے جب جویریہؓ کو آتے دیکھا تو چونک اُٹھی۔کیونکہ اُس کی صورت نہایت ملیح اور دلکش تھی ممکن نہ تھا کہ کوئی اُسکو دیکھے اور اُسکے دل میں اُس کی محبت نہ پیدا ہو جاسے۔اسلیے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح اُسکا حسن میری نگاہوں میں کھپ گیا ہے اسی طرح کہیں حضرت کے بھی دل میں اُس کی طرف میلان نہ پیدا ہو جاسے۔وہ حضرت کے پاس آکر بیٹھیں۔اور کہا کہ یا رسول اللہ میں برہ ہوں حارث کی بیٹی جو اپنی قوم کا سردار ہے۔میرے اوپر جو مصیبتیں پڑی ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔آپ میری مدد فرمائیں۔آپنے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ میں تمھاری طرف سے وہ رقم ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں

اُنھوں نے منظور کر لیا۔ آپ نے وہ رقم ادا کر دی اور نکاح کر لیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا جویریہ رضؓ سے نکاح ہوگیا تو جسقدر بنی مصطلق کے لونڈی غلام لوگوں کے پاس تھے سب نے آزاد کر دیا۔ کیونکہ اس نکاح کے بعد وہ سب آنحضرت کے رشتہ دار ہو گئے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جویریہؓ اس نکاح سے اپنی قوم کے لیے اسقدر گرامی اور معزز ثابت ہوئی کہ اُس کی تمام قوم اُسی دن غلامی سے آزاد ہو گئی۔ میں نہیں خیال کر سکتی کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے ایسی مفید ثابت ہوئی ہو۔ اور درصل جویریہ نے نہایت دُور اندیشی اور عقلمندی سے کام لیا جو اس نکاح کو منظور کر لیا۔ اور اپنی قوم کے لیے ایک عظیم الشان برکت اور رحمت بن گئی۔

جویریہؓ کے باپ حارث اپنی اس پیاری بیٹی کے چھڑانے کے لیے بہت سے اونٹ اور مال و اسباب لیکر آئے۔ اور آنحضرت سے عرض کیا کہ یہ فدیہ لے لیا جائے اور میری لڑکی چھوڑ دی جائے۔ ابتک اُنکو یہ نہیں معلوم تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسے شادی کر لی ہے۔ اس مقام پر بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ حارث جسقدر اونٹ لیکر چلے تھے راستے میں ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچکر اُن میں سے دو اونٹ بھاگ گئے تھے۔ آنحضرت کے سامنے جب اُنھوں نے تمام اونٹ اور اموال پیش کیے تو آپ نے پوچھا کہ وہ دونوں اونٹ کہاں ہیں جو فلاں مقام پر بھاگ گئے تھے یہ سُنتے ہی اُنھوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اُن کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اُسکا علم اُنکو کیونکر ہو سکتا تھا اگر یہ سچے رسول نہوتے۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو۔ بہرصورت آنحضرت کی پہلی ہی ملاقات میں حارث کے دل میں اسلام کی تصدیق سما گئی اور وہ ایمان لایا اسکے بعد جب اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس کی پیاری بیٹی جس کی رہائی کے لیے وہ اتنی دُور دراز راہ سے سفر کر کے بہت سا مال و سامان لایا تھا آنحضرت ہی کے نکاح میں ہے تو اور بھی خوشی ہوئی۔ اور ساتھ ہی تمام قوم بھی اُس کی آزاد ہو چکی تھی۔ اس لیے اُنکو ہمراہ لیکر خوشی خوشی اپنے مقام پر

واپس گیا۔

حضرت جویریہؓ نہایت عابدہ زاہدہ تھیں۔ دن اور رات کے اکثر حصے دعا و استغفار میں گزارتی تھیں۔ اور بیداری میں بہت کم اوقات ایسے ہوتے تھے کہ یہ اپنا مصلے چھوڑیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہ نہایت خوش بیان۔ خوش سلیقہ اور خوش طبیعت تھی لیکن اُس نے اپنی طبیعت کو اللہ کیطرف ایسا مائل کیا کہ اپنے تمام اوقات اُسی میں صرف کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کو اُنکے حجرے میں گئے تو وہ مصلے پر تھیں۔ اسی دن دوپہر کو بھی آپ تشریف لے گئے تو اُنکو عبادت میں پایا۔ آپ نے فرمایا کہ جویریہؓ! میں تمکو بتلاتا ہوں تم صرف یہ کلمہ کہا کرو۔ "سبحان اللہ عدد خلقہ" اس سے معلوم ہوتا ہی کہ صرف عبادت ہی میں دن رات کا گزار دینا اسقدر اچھا نہیں ہی جتنا کہ عبادت کے ساتھ اپنے دوسرے فرائض کو بھی انجام دینا بہت سے لوگ اور نیز بہت سی عورتیں بڑے بڑے وظیفے پڑھا کرتی ہیں۔ اور گھنٹوں اسی میں صرف کر دیتی ہیں۔ گو اللہ کا ذکر اچھی چیز ہی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکے صحابہ کرام وظیفچی نہیں تھے وہ ایک معینہ عبادت کرتے تھے جس سے قومی اور ذاتی فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کا فتور نہ واقع ہو۔ اگر وہ عبادت ہی میں مصروف رہتے تو مسلمانوں کی ترقی۔ اسلام کا عروج اور کلمۃ الحق کی تبلیغ کون کرتا اس لیے اللہ تعالے نے اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اللہ۔ حقوق العباد۔ وحقوق النفس کو الگ الگ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہی۔ جو لوگ پہاڑوں کے غاروں میں بیٹھکر نفس کُشی کرتے ہیں۔ دُنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور سوائے عبادت الٰہی کے کوئی انسانی فرض نہیں ادا کرتے وہ لوگ سچے مسلمان نہیں ہیں۔ سوسائٹی پر مفت میں اُنکا بار پڑتا ہی۔ خداوند عالم کے نزدیک بھی اُن کی کوئی وقعت نہیں ایک شاعر نے خوب کہا ہی۔

گر فرشتہ ہو گیا کوئی تو کیا　　　آدمی کو آدمیت چاہیئے

حضرت جویریہؓ میں تمام شریفانہ اوصاف تھے جنسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ ان کی طبیعت نہایت صلح پسند تھی۔ کبھی کسی بیوی سے ان سے جھگڑا نہیں ہوا۔ ہر ایک کیساتھ دلی محبت رکھتی تھیں۔ حضرت ابن عباس۔ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسنے حدیثیں روایت کی ہیں۔

ماہ ربیع الاول ۵۶ھ ہجری میں مدینہ میں انکا انتقال ہوا۔ اسوقت امیر معاویہؓ خلیفہ تھے مروانؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے وزیر تھے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ رحمہا اللہ ورضی عنہا۔

ام المومنین صفیہؓ

حضرت صفیہؓ کا سلسلہ نسب لاوی بن یعقوب تک پہنچتا ہی۔ انکے باپ حیی ابن اخطب تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون کی اولاد میں سے تھے۔ بنی اسرائیل میں انکا حسب نسب بہت اچھا خیال کیا جاتا تھا۔ ان کی والدہ ضرہ بنت سموال تھیں سموال وہ شخص تھا جو تمام عرب میں وفاداری میں ضرب المثل ہی۔

صفیہؓ اگرچہ یہودی مذہب رکھتی تھیں جو انکے باپ دادا کا مذہب تھا مگر ان کی طبیعت غیر معمولی واقع ہوئی تھی۔ اور نہایت عمدگی کے ساتھ سچی باتوں کو سمجھ لیا کرتی تھیں۔ انکے باپ بہت بڑے سردار اور معززین میں سے تھے۔ اُنھوں نے چودہ سال کی عمر میں صفیہؓ کی شادی سلام بن مشکم کے ساتھ کر دی تھی جو ایک پرجوش شاعر تھا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اُسنے طلاق دیدیا۔ بعدازاں انکا نکاح کنانہ کے ساتھ ہوا جو مشہور شہسوار اور شاعر تھا اُس زمانہ میں اہل عرب شاعروں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر معززین اپنی لڑکیاں اُنھیں کو تلاش کرکے دیتے تھے جو شاعر ہوتے تھے۔ اگر اسکے ساتھ ہی وہ بہادر بھی ہوتے تھے تو اور بھی اُن کی وقعت بڑھ جاتی تھی۔ کیونکہ عرب میں عزت اور سرداری کا مدار زیادہ تر بہادری پر ہوتا تھا۔ اور شاعر کی اس لیے وقعت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے باپ دادا کا نام اپنے مفاخر سے روشن کرتا تھا۔ اور دوسرے شعراء اُسکے خوف سے اُسکے قبیلے کی ہجو نہیں کرتے تھے۔

سنہ ۷ھ میں جب خیبر کی لڑائی ہوئی اور وہاں کے یہودیوں کو مسلمانوں نے شکست دی

توکنانہ جس کی حال ہی میں صفیہ سے شادی ہوئی تھی مارا گیا۔ اور تمام خیبر کے یہودی گرفتار کر لیے گئے۔ حضرت صفیہؓ جو اسوقت نئی دلہن تھیں وہ بھی قیدیوں میں آئیں۔ ابھی تک اُنکے ہاتوں میں شادی کی مہدی کا رنگ تھا اور اُنکے کپڑوں میں بوئے عروسی آرہی تھی۔ ان کے ہمراہ انہیں کے قبیلے کی ایک اور عورت تھی بلالؓ ان دونوں کو اُسی میدان میں سے جس میں کہ اُنکے قبیلے کے مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ یہ وہ دردناک منظر تھا کہ مشکل سے کوئی عورت اُسکے دیکھنے کی تاب لاسکتی ہو۔ اُسکے بھائی اُسکے چچا۔ قرابت مند کنبہ کے لوگ کٹے ہوئے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے پڑے ہیں کیونکر یہ دیکھکر اُسکا دل قابو میں رہ سکتا ہو۔ لیکن حضرت صفیہؓ کی مردانہ ہمت کو ہزار آفریں ہو کہ وہ یہ دردناک نظارہ دیکھکر رنج و غم کا گھونٹ خاموشی سے پی گئیں اور اپنے دل کو قابو میں رکھا۔ دوسری جو عورت اُنکے ہمراہ تھی وہ چیخ مار کر بیتاب ہوگئی آنحضرت نے بلالؓ کو ڈانٹا کہ تمہارے دل سے رحمت اور رقت کیا خدا نے نکال دی ہے؟ تم ان عورتوں کو وہاں سے لیکر گزرتے ہو جہاں انہیں کے آدمی خاک و خون میں غلطاں ہیں میرے پاس سے انکو لیجاؤ۔ بعد ازاں جب لونڈی غلام تقسیم کیے گئے تو صفیہؓ دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں جو ایک مشہور خوبصورت صحابی تھے۔ لیکن صفیہؓ بہت حسین تھیں اور اُنکا حُسن بازاری نہیں تھا بلکہ شاہانہ اور بارعب و جلال تھا۔ یہ دیکھکر لوگوں نے خیال کیا کہ یہ سوائے آنحضرت کے اور کسی کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ سے اسکا تذکرہ ہوا۔ آپنے دحیہ کلبی کو بلا کر سات دوسری لونڈیاں اپنے حصے میں سے دیدیں اور صفیہؓ کو لیلیا۔ وہیں اُنسے نکاح کیا۔ اور چھہارے تقسیم کیے گئے۔ ہفتے بھر کے بعد جب وہاں سے لشکر واپس ہوا تو خیبر سے ۶ میل کے فاصلے پر پہنچکر وداع کی گئیں۔

اور آنحضرت جب وہاں فروکش ہوئے تو انکی پرانی خادمہ ام سلیم اور ام سنان وغیرہ نے عروسی کا لباس پہنا کر جو کہ عطر وغیرہ سے بسا ہوا تھا صفیہ رض کو آنحضرت کے خیمہ میں وداع کیا۔ ام سنان کہتی ہیں کہ میری آنکھوں نے صفیہ جیسی خوبصورت عورت کم دیکھی ہی صبح کو جب آنحضرت خیمہ سے برآمد ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص باہر مسلح کھڑا ہوا ہی۔ یہ ابی ایوب انصاری تھے آپ نے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو انھوں نے کہا کہ واللہ تمام رات یہیں کھڑے ہو کر مینے گزاری ہی۔ میرا دل حیص بیص میں تھا کہ آپ نے جس عورت کے شوہر۔ بھائی۔ باپ اور چچا کو قتل کیا ہی۔ وہ آپ کے خیمہ میں ہی ایسا نہو کہ آپ کو کچھ ضرر پہنچائے آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ایوب! اللہ تعالے تمھاری ویسی ہی حفاظت کرے جیسی تم نے میری حفاظت کی۔ اسکے بعد آپ نے لوگوں کو دعوت ولیمہ کھلائی۔

راستہ میں صفیہ رض کو آنحضرت اپنے ہی اونٹ پر پیچھے سوار کراتے تھے اور پردہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مقام پر اونٹ کا پاؤں پھسلا تو آنحضرت مع صفیہ رض کے گر گئے لیکن خیر ہوی کسی قسم کی چوٹ نہیں آئی۔ آپ نے فوراً ہی اٹھ کر اُنپر پردہ کا آڑ کیا۔

صفیہ رض ایسی نیک دل اور محبت شعار تھیں کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت نے اُنکے تمام کنبہ اور خاندان کو قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن وہ کسی قسم کی کدورت نہیں رکھتی تھیں۔ اور نکاح کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔ آنحضرت کی محبت نے اُنکے پاک دل میں کسی رنج وغم اور کدورت کی گنجایش نہیں چھوڑی تھی۔ اسکا تجربہ خود آنحضرت کو بھی ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب آپ صفیہ رض کو لیکر مدینہ میں آئے تو حارثہ بن النعمان کے مکان میں الگ انکو ٹھہرایا۔ تمام ازواج مطہرات انکو دیکھنے کے لیے آئیں۔ حضرت عائشہ رض جب دیکھکر نکلیں تو آپ اُنکے پیچھے جھپٹے اور دامن پکڑ کر کہا کہ کیوں عائشہ تو نے کیا دیکھا۔؟ اُنھوں نے کہا کہ مینے دیکھا کہ ایک یہودن بیٹھی ہی۔

آپنے فرمایا کہ نہیں۔ وہ اسلام لائی ہی۔ اور اُسکا اسلام اچھا ہی۔ آپ کے اس کہنے سے معلوم ہوتا ہی کہ آپ کو صفیہؓ پر پورا اعتبار ہوچکا تھا۔ اور اُنکے نیک مزاجی سے واقف ہوگئے تھے۔

آنحضرت کی بعض بی بیوں نے اُنکے ساتھ بعض اوقات سختی کا بھی برتاؤ کیا لیکن یہ ہمیشہ اُنکے ساتھ نرمی کرتی رہیں اور محبت اور ہمدردی کا برتاؤ رکھتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہ رضؓ نے اُنکے حسب و نسب کے متعلق کوئی دل آزار کلمہ کہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے پاس آئے تو انھوں نے کیفیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ کہتی ہیں کہ ہم نبی کے خاندان میں سے ہیں تو تم بھی کہو کہ میرے باپ ہارونؑ ہیں۔ میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔ اور میرے شوہر محمدؐ ہیں۔ آنحضرت کو باپ دادا پر فخر کرنا نہایت ناگوار معلوم ہوتا تھا اسی لیے آپنے صفیہ رضؓ کو یہ دندان شکن جواب سکھلایا۔ مگر صفیہؓ ایسی نیک تھیں کہ اُنھوں نے کبھی ازواج مطہرات میں سے کسی کی دل آزاری روا نہیں رکھی۔

اہلبیت سے انکو خصوصیت کیساتھ محبت تھی۔ پہلے پہل جبوقت یہ خیبر سے مدینہ میں لائی گئیں تو تمام عورتوں کے ہمراہ فاطمہؓ بھی انکے دیکھنے کے لیے آئیں۔ اُنھوں نے اپنے کان کے سُنہرے زیور جو بہت بیش قیمت تھے اور نہایت خوبصورت بنے ہوے تھے اُنکو اُتار کے بطور تحفہ کے دیدیا۔ اور جو عورتیں فاطمہ رضؓ کے ہمراہ تھیں اُنکو بھی ایک ایک زیور دیا۔

آنحضرت صفیہؓ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ ایک تو وہ بڑے معزز سردار کی بیٹی تھیں دوسرے خود اُن کی وجاہت اور عقلمندی بھی اسی کی مقتضی تھی۔ ایک بار آنحضرت کسی سفر میں جارہے تھے زینب بنت حجشؓ اور صفیہؓ دونوں ہمراہ تھیں۔ صفیہؓ کا اونٹ ایک مقام پر بیمار ہوگیا اور سواری کے قابل نہیں رہا۔ زینب بنت حجش رضؓ کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ تھے آپ نے اُنسے کہا کہ تم اپنے اونٹوں میں سے صفیہؓ کو ایک اونٹ دیدو۔ زینب بنت حجش رضؓ

حالانکہ بہت بڑی فیاض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیحد مطیع تھیں مگر نہیں معلوم اُسوقت کیا خیال آیا کہ اُنھوں نے کہدیا کہ اُس یہود ن کو میں اپنا اونٹ ندونگی۔ آنحضرت نے یہ ناگوار فقرہ سُنکر تین مہینے تک اُنکے پاس جانا چھوڑ دیا۔ یہانتک کہ زینب رض کہتی ہیں کہ میں مایوس ہوگئی۔ اور پشیمان ہو کر اپنے دل میں عہد کرلیا تھا کہ اب ایسی بات کبھی نہ کہوں گی۔ حضرت صفیہ کا جوش انتقام کا جذبہ وفور محبت کی وجہ سے بالکل دب گیا تھا۔ یا اُن میں بدلہ لینے کا مادہ ہی نہیں تھا۔ کوئی کیسی ہی دل آزار بات کہے لیکن وہ خاموش رہتی تھیں۔ اور آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت کے دل میں انکی بہت محبت پیدا ہوگئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ نے وفات پائی تو آپ کے پاس تمام ازواج مطہرہ موجود تھیں۔ آپ مرض کی تکلیف سے کروٹیں بدلا کرتے تھے۔ صفیہ رض بیتاب ہو کر کھڑی ہوگئیں انکی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور کہا کہ یارسول اللہ کاش آپ کا مرض مجھ کو ہوجاتا!! گو کسی کا مرض کسی کو ہو نہیں جاتا لیکن جس انتہائی محبت پر یہ فقرہ دلالت کرتا ہی وہ قدر کے قابل ہی۔ ازواج مطہرہ نے آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ اور صفیہ رض کی اس بات کو خفت کی طرف منسوب کیا۔ آنحضرت نے دیکھ لیا اور فرمایا کہ واللہ صفیہ رض نے یہ بات تہ دل سے کہی ہی۔ اور وہ بہت سچی ہی۔

حضرت صفیہ رض معمولی دل و دماغ کی عورت نہ تھیں بلکہ اہم اور اعلیٰ ترین اُمور انجام دینے کی قابلیت اُن میں موجود تھی۔ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان رض خلیفہ ثالث کے مکان کو کوفہ۔ بصرہ۔ اور مصر کے باغیوں نے آکر گھیر لیا تھا۔ اور چالیس دن تک اُنکا کھانا اور پانی بالکل بند رکھا۔ اور محاصرہ کیے رہے اور آخر اسکے بعد مکان کو جلا دیا اور حضرت عثمان رض کو جاکر جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے قتل کر ڈالا تو حضرت صفیہ رض نے اس دوران میں باغیوں کو ہٹانے کی بہت

کوششیں کیں۔ خود خچر پر سوار ہو کر آئیں اور اُن لوگوں کو خلیفہ کے قتل کی جرأت سے روکنا چاہا۔ لیکن اشتر نخعی نے انکے خچر کے موںھ پر ایک ڈنڈا مارا۔ انھوں نے کہا کہ مجھ کو رسوا نہ کرو میں چلی جاتی ہوں۔ اور آخر جب دیکھا کہ یہاں بہت سی پالیسیاں عمل میں لائی جا رہی ہیں اور باغیوں کو روکنے کی کوئی حقیقی طاقت موجود نہیں ہے تو مجبور ہو کر واپس چلی آئیں لیکن یہ انھیں کی کوشش تھی کہ چالیس دن تک برابر عثمان رضؓ کو پانی اور کھانا مختلف طریقوں سے پہنچتا رہا۔

حضرت ابو عمرو کہتے ہیں کہ صفیہ ایک نہایت عاقلہ اور فاضلہ بیوی تھیں۔ انکے پاس ایک لونڈی تھی وہ حضرت عمرؓ کے دربار میں آئی اور کہا کہ صفیہؓ یہودیوں کی طرح سبت کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور یہودیوں سے محبت رکھتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود جا کر صفیہؓ سے پوچھا اُنھوں نے کہا کہ سبت کے عوض میں جب سے اللہ تعالےٰ نے مجھ کو جمعہ عطا کر دیا ہے میں اُسکو زیادہ قابل احترام نہیں سمجھتی۔ ہاں یہود سے البتہ محبت رکھتی ہوں کیونکہ وہ میرے قرابت مند ہیں۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ صفیہؓ نے لونڈی سے کہا کہ تو نے میری غلط شکایت کیوں کی۔ اُسنے کہا کہ شیطان نے مجھ کو بہکایا۔ اُس کی اس صاف بیانی کی وجہ سے اُسکو اُنھوں نے آزاد کر دیا۔ حضرت صفیہؓ کی تمام زندگی نہایت پاک اور مقدس گزری ۵۲ھ امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ میں انکا انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہو گئیں۔ اسوقت ان کی عمر ۶۲ سال کی تھی کیونکہ جب آنحضرت نے انسے نکاح کیا تھا اُسوقت یہ پورے ۱۷ سال کی تھیں۔

ام المومنین میمونہؓ

حضرت میمونہؓ قبیلہ بنو ہلال سے تھیں۔ انکے باپ حارث بن حزن تھے جو عرب کی اچھی بیٹیوں کے باپ تھے۔ کیونکہ میمونہؓ کے حقیقی اور اخیافی بہنیں پندرہ سولہ تھیں جو سب کی سب صحابیہ تھیں۔ اور جن میں سے بعض بعض بہت مشہور تھیں۔ حضرت زینب ام المساکینؓ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ۳ سنہ ہجری میں نکاح ہوا تھا اور جو آپ کے حین حیات ہی میں انتقال کر گئیں انھیں کی بہن تھیں۔ اسماء بنت عمیسؓ جنکا نکاح پہلے حضرت جعفرؓ سے ہوا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ سے اور پھر حضرت علیؓ سے وہ بھی انھیں کی بہن تھیں۔ ام الفضل بھی جو حضرت عباسؓ کی بیوی تھیں انھیں کی بہن تھیں۔ لبابہ صغری جو خالد بن ولیدؓ ایسے مشہور صحابی کی والدہ تھیں انھیں کی بہن تھیں۔ آنحضرت انھیں سے خصوصیت کیساتھ ام الفضل۔ میمونہ اور اسماء بنت عمیسؓ کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ الاخوات مومنات (مومنہ بہنیں) ان کی والدہ ہند بنت عوف تھیں۔

پہلے انکا نکاح قریش کے ایک بہادر نوجوان ابن رہم کے ساتھ ہوا تھا۔ جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انتقال کر گیا۔ حضرت عباسؓ جو میمونہ کے رشتہ دار تھے کیونکہ اُن کی بہن ام الفضلؓ اُنکے نکاح میں تھیں اور آنحضرت کے چچا تھے اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میمونہؓ کی نسبت عرض کیا کہ وہ بیوہ ہو گئیں۔ آپ اُنسے نکاح کرلیں۔ آنحضرت نے اپنے معزز چچا کا یہ کہنا منظور کرلیا۔ لیکن اسوقت خیبر کی لڑائی درپیش تھی اس لیے آپ کچھ بندوبست

نہ کرسکے۔ جب خیبر سے کامیاب مدینہ میں واپس آئے تو آپ نے حضرت عباس رضؓ کے پاس جو مکہ میں تھے ابو رافع اور اوس بن خولی کو بھیجا کہ وہ وکیل بنکر میمونہ رضؓ سے نکاح کردیں۔ لیکن راستہ میں ان دونوں کے اونٹ بھاگ گئے اسلیے یہ مکے نہیں پہنچ سکے۔ اسی زمانے میں آنحضرت نے بھی عمرہ کرنیکا ارادہ فرمایا۔ اور مع صحابہ کرام کے مکہ کی طرف تشریف لے چلے راستے میں اوس اور ابو رافع بھی مل گئے۔ جب آپ مکے میں پہنچے تو جعفر رض کو حضرت میمونہ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے حضرت عباس کو اپنی طرف سے وکیل کردیا اور وہیں آپ کا نکاح ہوگیا۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضؓ نے اپنے نفس کو آنحضرت کے لیے ہبہ کیا تھا۔ اور انھیں کے بارے میں یہ آیت اتری تھی وامراۃ موصنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان ینکحہا (اگر کوئی مسلمان عورت اپنا نفس نبی کے لیے ہبہ کرے تو نبی کو اختیار ہی کہ اگر وہ چاہے تو اُس سے نکاح کرے)۔ لیکن ہماری تحقیق میں یہ امر غلط معلوم ہوتا ہی۔ کیونکہ نکاح کے پہلے حضرت میمونہؓ آنحضرت کے پاس کبھی نہیں آئیں۔ علاوہ بریں حضرت عباسؓ جنگ خیبر سے پیشتر ہی آنحضرت سے میمونہ کے متعلق کہہ چکے تھے اور آپ نے مدینہ سے خود ابو رافع اور اوس کو نکاح کے لیے مکے روانہ کیا تھا۔ اس کے سوا یہ نکاح اُسی طرح ہوا جس طرح دوسری بی بیوں سے ہوا۔ اور آپ نے پانچسو مہر ادا کیا۔

جسوقت قافلہ مکہ سے واپس ہوا تو مقام سرف میں پہنچکر ان کی ودائع ہوئی۔ سرف مکے سے دس میل کے فاصلے پر ہی۔ اب اُسکو وادی فاطمہ کہتے ہیں۔ وہاں ایک قبہ تھا جس میں آنحضرت نے پہلے پہل میمونہؓ کے ساتھ ملاقات کی۔

انکے نکاح سے ایک پیچیدہ مسئلہ فقہا میں چھڑ گیا ہی کہ حضرت نے احرام کی حالت میں اُنسے نکاح کیا یا کہ آپ اسوقت غیر محرم تھے۔ متعدد حدیثیں دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں

کہ آپ نے اُسوقت نکاح کیا تھا جب مکے میں پہنچ گئے تھے اور حلال ہو چکے تھے۔ یعنی احرام ختم ہو چکا تھا۔ اور اسی طرح ودا ع بھی احرام ختم ہونے کے بعد سرف میں ہوئی۔ اسکے متعلق سب سے زیادہ معتبر روایت صفیہ بنت شیبہ کی ہی جو بہت بوڑھی عورت تھیں اور اس نکاح میں شریک تھیں۔ وہ نہایت شدومد سے انکار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ احرام کی حالت میں آنحضرت نے نکاح نہیں کیا۔

حضرت میمونہؓ بہت متقی اور دیندار تھیں۔ انکے مزاج میں کسی قسم کا شر نہیں تھا۔ اسی وجہ سے تمام بی بیوں سے انکو نہایت محبت تھی۔ اور کبھی کسی قسم کا جھگڑا یا بگاڑ نہیں ہوا حضرت عائشہ ان کی نسبت کہتی ہیں کہ "میمونہ صالح۔ اور نیکنام مری۔ واللہ وہ ہم لوگوں سے زیادہ متقی تھی اور قرابت مندوں کے ساتھ بہت سلوک کرنے والی تھی۔"

واقعی حضرت میمونہ کو قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کرنے کا بڑا خیال رہتا تھا آنحضرت بھی ان کی اس عادت کو پسند فرماتے تھے اور جہانتک ہوسکتا تھا صلہ رحمی میں ان کی مدد بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت میمونہ نے اپنے ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا۔ آنحضرت جب گھر میں آئے تو اُنسے بھی مشورہ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہی۔ مگر میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تمھارے میکے کے لوگوں کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہی جو اُنکے اونٹ چرائے اس لیے یہ بہتر ہی کہ اس غلام کو تم انھیں کے پاس بھیجدو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ یہ خصوصیت کچھ انھیں کے ساتھ نہ تھی بلکہ آپ تمام بی بیوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنے قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کرو۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں وہی شخص سرسبز ہوگا جو صلہ رحمی کریگا" صلہ رحمی یعنی قرابت مندوں سے سلوک نہ صرف دنیا میں انسان کی عزت کا باعث ہوتا ہے بلکہ آخرت میں بھی اور اگر غور سے دیکھا جاسے تو سب سے بڑا آدمی کا یہی فرض ہے

میمونہؓ سے حدیثیں بہت کم روایت کی گئیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حد سے زیادہ محتاط تھیں۔ علاوہ بریں صرف دو ہی تین سال آنحضرت کی زندگی کے اُنھوں نے دیکھے اسلیے اکثر معاملات کے متعلق انکو پوری واقفیت بھی نہ تھی۔ اور وہ اسکا اہل حضرت عائشہؓ کو خیال کرتی تھیں بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی موت کے متعلق آنحضرت نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ مکہ میں نہ مرینگی۔ کیونکہ میمونہؓ کو مکہ سے بہت عشق تھا۔ اور وہ اکثر حضرت سے کہا کرتی تھیں کہ کاش اُسی مبارک سرزمین پر میری موت ہوتی۔ افسوس اُنکی یہ اُمید بر نہ آئی اور اُنکا انتقال ۵۱ھ میں اُس مقام پر آکر ہوا جہاں اُن کی وداع ہوئی تھی۔ یعنی سرف میں اور اُسی قبہ میں دفن کی گئیں جس میں اُس سے چالیس برس پیشتر پہلی ملاقات آنحضرت سے ہوئی تھی۔ یہ بھی ایک حُسن اتفاق ہے۔ تواریخ سے اسکے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے کتنی عمر پائی اور آنحضرت کے نکاح کے وقت جو ۷ھ میں ہوا انکی کیا عمر تھی سب سے آخری نکاح آنحضرت کا انھیں کے ساتھ ہوا تھا۔ اسکے بعد آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا۔ انسے کوئی اولاد نہ تھی۔

زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زینب رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے آنحضرت کے جو اولاد ہوئی وہ زینب رضی ہیں لیکن مختلف احادیث اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاسم رضی انسے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت زینب رضی کی ولادت ہجرت سے ۲۳ سال پیشتر ہوئی تھی۔ یعنی جبکہ آنحضرت کی عمر شریف تیس سال کی تھی بچپن ہی سے زینب رضی کی سمجھ غیر معمولی معلوم ہوتی تھی اور اُنکے اندر وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایسے پرشان ماں باپ کی بیٹی میں ہونے چاہئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اپنی اس پیاری بیٹی کی بہت ہی محبت کرتی تھیں اور کبھی اپنے پاس سے انکو علیحدہ کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ مگر اُن کی بہن ہالہ بنت خویلد جو حضرت زینب کی حقیقی خالہ تھیں اکثر انکو اپنے یہاں بلوالیا کرتی تھیں اور انسے انکو بیحد دلچسپی ہوگئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے ابو العاص کا نکاح اسی لڑکی سے کروں گی کیونکہ زینب کی تمام باتیں اُنکو بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ اسکا تذکرہ کبھی کبھی وہ خدیجہ رضی سے بھی کردیا کرتی تھیں۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی مسکرا کر خاموش رہجاتی تھیں۔ جب زینب رضی اس قابل ہوئیں کہ اُنکا نکاح کیاجائے تو ہالہ نے حضرت خدیجہ رضی سے باربار کہنا شروع کیا اُنکے اصرار سے حضرت خدیجہ رضی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا تذکرہ کیا۔ ابو العاص چونکہ ایک جری۔ عقیل اور ہونہار جوان تھے اس لیے حضرت نے بھی پسند فرمایا اور زینب رضی کا نکاح اُنکے ساتھ کردیا۔ یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا

کہ کس سنہ میں ان کا نکاح ہوا لیکن ہجرت سے پہلے ہوا۔ جب ہجرت کرنے کا وقت آیا تو آنحضرت نے ابو العاص کو بہت سمجھایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ مگر وہ اسلام نہ لاسے۔ آخر حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ چلی آئیں۔ اور ابو العاص وہیں رہ گئے۔

جمادی الاول ۲ سنہ میں مکہ سے قریش کا ایک چھوٹا سا لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت نے اُس کی خبر پاکر زید بن حارثہ کو ایک سو ستر سواروں کی معیت میں مقابلے کے لیے بھیجا۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کو قید کر لیا۔ انھیں قیدیوں میں ابو العاص بھی آئے۔ حضرت زینبؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو اُنھوں نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے فدیہ دینا چاہا جس طرح کہ اور بہت سے لوگوں نے فدیے دیے تھے۔ مگر اُن کے پاس کیا تھا جو دیتیں مجبوراً موتیوں کا وہ ہار جو حضرت خدیجہؓ نے انکو دیا تھا فدیہ میں بھیج دیا۔ آنحضرت جب مع صحابہ کے جائزہ لینے کے لیے بیٹھے تو آپ کی نگاہ اُس ہار پر پڑی فوراً پہچان لیا۔ اور پوچھا کہ یہ ہار تو خدیجہ کا ہی یہاں کیسے آیا۔ لوگوں نے کہا کہ زینبؓ نے ابو العاص کے فدیہ کے لیے بھیجا ہے۔ اور انھوں نے اُسکو پناہ بھی دی ہے۔ آنحضرت کی آنکھوں میں رقت سے آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ادنےٰ سے ادنےٰ مسلمان بھی اگر کسی قیدی کو پناہ دیدے تو وہ جائز تسلیم ہوگی۔ ابو العاص کو چھوڑ دو۔ اسکے بعد اُس ہار کے متعلق آپ حضرت خدیجہؓ کا ذکر کرتے رہے۔ اور بہت اُنکے فضائل اور اوصاف بیان فرمائے۔

ایسے موقع پر ممکن تھا کہ حضرت زینبؓ آنحضرت صلعم سے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے سفارش کرتیں۔ لیکن اُنکے دل نے گوارا نہیں کیا کہ وہ سفارش سے جو انصاف کے خلاف ہی فائدہ اُٹھائیں۔ علاوہ بریں یہ بھی اُمید انکو نہ تھی کہ آنحضرت صرف ابو العاص کو تمام قیدیوں میں سے محض اس وجہ سے کہ وہ انکے داماد ہیں کیونکر چھوڑ دینگے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے

انھوں نے فدیہ بھیجا تھا۔ اور آنحضرت نے اس بنا پر چھوڑ دیا کہ انکو ایک مسلمان بیوی نے پناہ دیدی ہے جو از روے شریعت کے جائز قرار دی گئی ہے۔ اسکے بعد ابو العاص مکہ میں واپس چلے آئے اور آخر پھر محرم سنہ ۷ ہجری میں مدینہ میں جا کر اسلام لائے۔ اسوقت آنحضرت نے زینب رض کو انکے پاس بھیجدیا۔ اور انکے پہلے نکاح کو باقی رکھا۔

یہ شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ آیا جب میاں کافر ہو اور بیوی مسلمان ہو تو نکاح باقی رہ سکتا ہے یا نہیں۔ نفی میں جواب دینے والوں کی اس واقعہ سے تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت زینب مسلمان ہو چکی تھیں۔ اور ابو العاص کافر تھے اور باوجود اسکے آنحضرت صلعم نے اسی نکاح کو باقی رکھا۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ جب تک وہ کافر تھے اسوقت تک انکو زینب رض سے ملنے نہیں دیا۔ اسلام نے اس معاملہ میں صرف مذہب کی حفاظت کا خیال رکھا ہے۔ کیونکہ عورتیں بہت زیادہ محبت اور الفت مردوں کے ساتھ رکھتی ہیں اور انھیں کے خیالات کی پیرو ہوتی ہیں۔ اسلیے یہ بہت ممکن ہے کہ مرد اگر کافر ہو تو وہ اپنی مسلمان بیوی کو آسانی سے کافر بنا لے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ابو العاص کو کفر کی حالت میں زینب رض سے ملنے نہیں دیا۔ بخلاف اسکے اگر مرد مسلمان ہو اور عورت نہ ہو تو اسمیں زیادہ نقصان کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا فائدہ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ عورت اپنے مسلمان شوہر کے خیالات کی پیروی کر کے مسلمان ہو جاے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی نظیریں ہر زمانے میں ملتی رہتی ہیں۔ اسلیے کتابیہ عورت سے مسلمان کا جائز ہے۔ مگر اہل کتاب سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔ مشرکہ عورتوں سے البتہ اسلام نے مسلمانوں کو نکاح کرنے سے روکا ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے اور وہ شرک کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے۔

ابو العاص کے اسلام لانے کی آنحضرت کو بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ وہ نہایت

مستقل مزاج ارادے اور بات کے پکے تھے۔ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر لاتے تھے۔ اور جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ علاوہ بریں نہایت عقلمند اور وفادار تھے۔ آنحضرت اکثر ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا اور فاطمہؓ پہلے ہی سے اُنکے نکاح میں تھیں تو آنحضرت کو بہت رنج ہوا۔ اور آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ واللہ رسول کی بیٹی اور ایک کافر کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ اسی ضمن میں جبکہ آپ حضرت علیؓ پر خفگی ظاہر کر رہے تھے یہ بھی فرمایا کہ میں ابوالعاص کی تعریف کرتا ہوں اُسنے جو کچھ کہا وہ کر دکھایا اور جو وعدہ کیا اُسکو پورا کیا۔

حضرت زینبؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ ایک بیٹا تھا جسکا نام علی تھا۔ وہ نہایت حسین تھے اور بہت بڑی طبیعت اللہ نے اُنکو عطا کی تھی۔ آنحضرت بہت ہی اُلفت اُنکے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ مکہ جسوقت فتح ہوا ہی اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی اونٹ پر اُنکو سوار کیے ہوئے تھے۔ قریب بلوغ کے پہنچکر اُنھوں نے انتقال کیا۔ دوسری اُن کی بیٹی حضرت امامہؓ تھیں جنسے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے عرصہ کے بعد حضرت علیؓ نے نکاح کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہؓ کے ساتھ بھی بیحد الفت تھی۔ چنانچہ آپ اُنکو گود میں لیکر نکلتے اور کندھے پر لیے ہوئے نماز بھی کبھی کبھی پڑھا دیتے تھے ایک بار نجاشی حبشہ نے بہت سے تحفے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اُسمیں ایک انگوٹھی بھی تھی جو بہت چھوٹی اور نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی میں اسکو دونگا جو سب سے زیادہ مجکو پیاری ہی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اب حضرت عائشہؓ کے سوائے کس کو مل سکتی ہی لیکن امامہ کو بلوا کر آپنے اُن کی اُنگلی میں پہنا دی۔ امامہؓ سے نسل نہیں چلی بعض لوگ کہتے

ہیں کہ حضرت علی کی وفات کے بعد جب انکا نکاح مغیرہ بن نوفل سے ہوا تو ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا تھا۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خود مغیرہ ہی کی روایتوں سے اسکی تردید ہوتی ہے۔

حضرت زینبؓ کی وفات سنہ ۸ ہجری میں ہوئی۔ سیرۃ شامیہ میں انکی وفات کا یہ سبب لکھا ہے کہ یہ مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ انکے ہمراہ ایک غلام اور ہبار بن الاسود تھا۔ ہبار بن الاسود قبیلہ قریش ہی کا ایک سخت کافر تھا اور گو وہ آنحضرت کا بہت قریبی تھا لیکن پھر بھی اسکو سخت مذہبی عداوت آپ کے ساتھ تھی۔ راستے میں جب حضرت زینبؓ کا اونٹ ایک پہاڑی پر چڑھ رہا تھا اسوقت اسنے اس کی نکیل کو ایسا آڑا ترچھا کیا کہ وہ بیچاری گر گئیں۔ نیچے چونکہ سنگ خارا تھا اسوجہ سے انکے سر میں بہت چوٹ آئی اور بہت زیادہ خون نکلا۔ مدینے میں آکر عرصے تک بیمار رہیں اور آخر اس تکلیف سے جانبر نہ ہو سکیں۔ انتقال کی خبر جب آنحضرت کو معلوم ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ آپنے ام عطیہ کو حکم دیا کہ طاق غسل دو یعنی تین یا پانچ بار اور پھر کافور لگاؤ۔ بقیع میں دفن کی گئیں انکے جنازہ کی نماز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

ہبار بن الاسود کی جسنے حضرت زینبؓ کو سواری سے گرا دیا تھا اہل اسلام کو بہت تلاش تھی۔ چونکہ یہ امر ثابت ہو گیا تھا کہ اسنے محض صدمہ پہنچانے کی غرض سے زبردستی سے اونٹ کو ہلا ڈلا کر انکو گرایا تھا اسوجہ سے آنحضرت نے بھی حکم دیدیا تھا کہ جہاں ہبار کو پاؤ قتل کر ڈالو ہبار چھپتا پھرتا تھا لیکن آخر میں جب اسنے کہیں اپنی پناہ نہیں دیکھی تو آکر مسلمان ہو گیا۔ اور اسلام لانے کی وجہ سے اب اسپر جرم باقی نہیں رہا۔ کیونکہ آنحضرت نے خود فرمایا ہے کہ "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" لیکن پھر بھی بعض صحابہ اسپر دانت پیستے تھے اور برا بھلا کہتے تھے۔ ایک مرتبہ اسنے آنحضرت سے شکایت کی کہ لوگ مجھ سے کینہ رکھتے ہیں اور مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جو تم کو بُرا کہے تم اُسکو بُرا کہو۔ اور لوگوں کو منع کیا کہ ہبار کو بُرا نہ کہو۔ اللہ اکبر کیا خلق اور اتحاد تھا۔ کہ باوجود اسکے کہ وہ آپکی معززاور پیاری بیٹی کی ہلاکت کا باعث ہوا تھا لیکن پھر بھی آپ اُسکے اسلام لانے کے بعد حامی ہو گئے۔ اور تاکید کی کہ اسکو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ دل میں اس کی طرف سے کینہ رکھو۔ حضرت عائشہ رضؓ کا کہنا بہت صحیح ہی کہ آنحضرت نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں کسی سے بدلا نہیں لیا۔ البتہ ہتک حرمت دین کے انتقام لینے میں وہ بہت سخت تھے۔ اصلی خلق یہی ہی اور مذہبی و قومی اتحاد اُسوقت تک نہیں ہو سکتا ہی جبتک اپنی ذاتی اغراض اسی طرح سے اُنپر قربان نہ کر دیے جائیں۔

رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت رقیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ہیں جو زینبؓ سے چھوٹی اور باقی بیٹیوں سے بڑی ہیں۔ ان کی پیدائش اسوقت ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۳ سال کی تھی۔ یہ اپنے تمام بھائی بہنوں کی نسبت بہت زیادہ خوبصورت تھیں اور عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ صدیوں سے ایسی خوبصورت لڑکی قریش میں نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اُسکے ساتھ ہی ان میں فہم و ذکا بھی ایسی تھی جو ایک معزز رسول کی بیٹی کے لیے زیبا ہے۔ ان کی تعریف سن سنکر قریش کا ہر ایک سردار آرزومند تھا کہ وہ میرے لڑکے سے بیاہی جائیں اور ابھی وہ بہت چھوٹی تھیں کہ چاروں طرف سے پیغام آنے شروع ہو گئے۔ ابولہب جو نہایت معزز قریشی سردار تھا وہ اس میں کامیاب ہوا یعنی آنحضرت نے منظور فرمالیا کہ رقیہؓ کو اُسکے بیٹے عتبہ سے بیاہ دیں اور آخر اُسی سال جس میں کہ آپ مبعوث ہوے آٹھ سال کی عمر میں رقیہ کا نکاح کر دیا۔

حضرت عثمانؓ جو اُسوقت تک مسلمان نہیں ہوے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں جب خانہ کعبہ میں گیا تو مجھکو معلوم ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی سے عتبہ نے نکاح کر لیا۔ مجھکو بیحد رنج ہوا۔ کیونکہ میں اس کی بڑی کوشش میں تھا کہ میرا نکاح اُس سے ہو اسی رنج میں میں کعبہ سے اپنے گھر میں آیا۔ وہاں میری خالہ سعدی بیٹھی ہوئی تھی جو نہایت مشہور کاہنہ تھی (کاہنہ عرب میں وہ عورتیں کہلاتی تھیں جو لوگوں کے دل کی کیفیت اور آئندہ کے احوال

بتا دیتی تھیں۔ مثلاً کامیابی۔ ناکامی۔ بارش۔ قحط۔ وغیرہ وغیرہ اور اُنکا کلام نہایت مقفیٰ ہوتا
تھا) اُسنے مجھ کو دیکھتے ہی کہا۔

ابشر وحییت ثلثاً وترا
تجھ کو بشارت ہو اور تین سلام
لقیت خیرا ووقیت شرا
تجھ کو بھلائی ملے اور بُرائی سے بچو

ثم ثلثا وثلثا اخریٰ
پھر تین۔ اور پھر تین۔ اور
نکحت واللہ حصانا زھرا
تونے ایک پاک و خوبصورت عورت سے نکاح کیا

ثم باخریٰ کے تتم عشرا
پھر ایک وتر تاکہ دس پورے ہو جائیں
وانت بکر ولقیت بکرا
تو کنوارا تھا تجھ کو کنواری ملی

میں یہ سُنکر حیرت میں ہو گیا۔ اُسنے پھر کہا۔

عثمان یا عثمان یا عثمان
اے عثمان اے عثمان اے عثمان
ارسلہ بحقہ الدیان
خدا نے سچائی کیساتھ اُسکو بھیجا ہے

لک الجمال ولک الشان
تیرے لیے جمال ہے اور عزت ہے
وجاءہ التنزیل والفرقان
اُس کے پاس قرآن ہے

ھذا نبی معہ البرھان
یہ نبی ہے جسکے پاس دلیل ہے
فاتبعہ لا یغیابک الاوثان
اُسکی پیروی کر اور بُت تجھکو گمراہ نکریں

اس کلام کو سُنکر آنحضرت کی صداقت کا خیال میرے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اگر وہ سچے نہ ہوتے تو اس طرح سے لوگوں کے دلوں پر اُنکی حقانیت کا عکس کیسے پڑتا۔ کئی دن کے بعد اسی خیال میں غلطاں پیچاں حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر گیا اُسوقت اتفاق سے وہ تنہا بیٹھے ہوئے تھے مجھ کو متردد دیکھکر اُنھوں نے سبب پوچھا۔ میں نے کہا کہ میں اسی تردد میں ہوں کہ آیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے رسول ہیں یا نہیں اُنھوں نے کہا کہ عثمان۔! تم ایک ہوشیار اور عقلمند آدمی ہو۔ حق اور باطل میں اچھی طرح تمیز کر سکتے ہو آخر سوچو کہ تمہاری قوم بتوں کو پوجتی ہے جو نہ بولتے ہیں نہ سُنتے ہیں نہ کوئی طاقت رکھتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس طاقتور خدا کی پرستش کی طرف بلاتے ہیں۔ جو سمیع و علیم و

قدیر ہی۔ یہ باتیں ابو بکرؓ کی میرے دل میں تیر کی طرح اثر کر گئیں۔ اور حسن اتفاق سے ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ انکے ساتھ ہی علیؓ بھی تھے جو انھیں کا ایک کپڑا لیے ہوئے تھے۔ ابو بکرؓ آنحضرت کو دیکھکر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور کچھ آپ کے کان میں جا کر کہا۔ آپ میرے پاس تشریف لاے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ عثمان اللہ پر یقین رکھو اور یہ سمجھ لے کہ میں نہ صرف تیری قوم بلکہ تمام دنیا کے لیے رسول کر کے بھیجا گیا ہوں۔ آنحضرت کا یہ قول سُنکر بیساختہ مینے کلمۂ شہادت پڑھ دیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت کا چہرہ میرے اسلام لانے سے خوشی سے چمکنے لگا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد تبت یدا ابی لھب کی آیت اُتری۔ اس سے ابو لہب اسقدر برہم ہو گیا کہ اُسنے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی رقیہؓ کو چھوڑ دیگا تو میرا بیٹا نہیں۔ آخر اُسنے چھوڑ دیا۔ اسی طرح اُسکے دوسرے بیٹے عتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثومؓ بیاہی تھیں، اسکو بھی مجبور کر کے اُسنے چھڑوا دیا۔ اب تک چونکہ رقیہؓ۔ اور ام کلثومؓ بہت چھوٹی عمر کی تھیں اسوجہ سے انکی وداع نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت نے رقیہؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا۔ اسوقت مکہ میں احسن الزوجین (بہترین جوڑا) انکو لوگ کہتے تھے۔ کیونکہ جس طرح حضرت رقیہؓ حسن میں بےمثل تھیں۔ اُسی طرح حضرت عثمانؓ بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اور اسوقت تمام قبیلہ قریش میں انسے زیادہ خوبصورت کوئی نوجوان نہ تھا۔ انکا رنگ سفید تھا۔ اور اُسمیں سے سُرخی یاقوت کی طرح جھلک مارتی تھی۔ گھونگروالے بال تھے جن کی چوٹیاں کان کی لو تک پہنچتی تھیں لمبی گردن۔ چوڑا سینہ اور پُرگوشت بازو تھے اور قد نہایت سیدھا تھا۔ آنکھوں سے حلم اور متانت اور چہرے سے بہادری اور ہیبت برستی تھی۔ ایک شاعر کہتا ہی۔

ھدی اللہ عثمان الصفی بقولہ ۔۔۔ فارشد ہ واللہ یھدی الی الحق

اللہ نے عثمان کو اپنے قول سے رہبری کی | اور سیدھے راستہ پر چلایا۔ اور اللہ ہی حق کیطرف ہدایت کرتا ہے

وانکحہ المبعوث احدی بناتہ | فکان کبدر مازج الشمس فی الافق

رسول نے اپنی ایک بیٹی اُنسے بیاہ دی | گویا کہ افق میں بدر اور آفتاب مل گئے

جب کفار مکہ مسلمانوں کو ستانے لگے تو حضرت نے اُنکو حبشے کی طرف ہجرت کرنیکا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے آنحضرت کے حکم کے مطابق ہجرت کی اور اپنے پیارے وطن کو چھوڑ دیا وہ حضرت عثمان تھے جو مع رقیہ ؓ کے حبشہ چلے گئے۔ بہت دنوں تک آنحضرت کو اُن کی کچھ حالت نہیں معلوم ہوئی آخر حبشہ سے ایک عورت آئی اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنکی خیر و عافیت کہی۔ آپ بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ اللہ اُنکو عافیت میں رکھیگا وہ دونوں پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد ہجرت کی ہے۔ وہیں رقیہ ؓ سے ایک لڑکا عبداللہ بھی پیدا ہوا جسکے نام سے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ وہ نہایت ہی کمزور بچہ تھا۔ اور جب چھ سال کی اُس کی عمر ہوئی تو ایک مرغ نے اُس کی آنکھ میں چونچ ماردی۔ جس سے عرصہ تک دُ دمیں مبتلا رہا۔ اور آخر انتقال کر گیا۔

حضرت عثمان ؓ نے مکہ میں واپس آکر دوسری ہجرت جو حبشہ کی طرف کی اُس میں بھی حضرت رقیہ ؓ ساتھ ہی تھیں۔ اور گو اُنکو ایک خاص مرض جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے لاحق ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنے شوہر کی ہمراہی چھوڑنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ جب انکو خبر ہوئی کہ آنحضرت مکے سے مدینے گئے تو یہ لوگ بھی حبشہ سے مدینے چلے آئے۔ یہاں آکر حضرت رقیہ کا مرض بہت زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ جسوقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام کی تاریخ میں نہایت اہم معرکہ ہے تو رقیہ کی بیماری کی وجہ سے آنحضرت نے حضرت عثمان ؓ اور اسامہ بن زید کو

اُن کی خدمت کے واسطے چھوڑ دیا۔ جسدن رقیہؓ کی وفات ہوئی اُسیدن زید بن حارثہ جنگ بدر کی فتح کی خبر لائے۔

حنر رقیہؓ کا انتقال ۲۳ سال کی عمر میں ہوا۔ کیونکہ اُن کی ولادت ہجرت سے ۲۱ سال پہلے ہوئی تھی۔ اور بدر کی لڑائی جس زمانے میں کہ انھوں نے وفات پائی سنہ ۲ ہجری میں تھی۔ حضرت فاطمہؓ کو رقیہؓ کیساتھ بہت محبت تھی۔ ایک راوی کہتا ہی کہ مجھے خوب یاد ہے میننے دیکھا تھا کہ رقیہؓ کی قبر پر فاطمہؓ بیٹھی ہوئی چپکے چپکے رو رہی تھیں اور آنسو آستین سے پونچھتی جاتی تھیں۔ ان کی قبر بھی بقیع میں ہی۔

ام کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ام کلثوم کے متعلق مورخوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ بڑی ہیں یا حضرت فاطمہؓ
ہم اس معاملے میں فیصلہ کرنے سے حیران ہیں۔ کیونکہ حضرت فاطمہؓ کی تاریخ ولادت اگرچہ
ہمکو معلوم ہے لیکن ام کلثوم کی نہیں معلوم۔ مگر چونکہ ام کلثوم کا مکہ ہی میں نکاح ہو چکا تھا۔ اور
اسوقت تک حضرت فاطمہؓ کنواری تھیں اس لیے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ام کلثوم بڑی تھیں۔
کیونکہ رسم یہی ہے کہ پہلے بڑی لڑکی کا نکاح کرتے ہیں۔

انکی ولادت اسوقت ہوئی جب آنحضرت کی عمر ۳۳ یا ۳۴ سال کی تھی۔ حضرت رقیہؓ
کے ساتھ ہی انکا نکاح ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ اور جیسا کہ پہلے ہم لکھ آئے
ہیں اُسنے اپنے بیٹوں سے نبی کی ان محترم بیٹیوں کو طلاق دلوا دی تھی۔ بعد طلاق کے رقیہؓ
کا مدینہ میں آکر جب انتقال ہو گیا تو حضرت عثمانؓ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ رقیہؓ کے برتاؤ سے
وہ اسقدر خوش تھے کہ اُنکو خیال تھا کہ اب ویسی دوسری عورت عرب میں مجھ کو نہ مل سکیگی۔
اسی زمانے میں حضرت حفصہؓ حضرت عمر کی بیٹی بھی بیوہ ہو گئی تھیں۔ انھوں نے پہلے تو ابو بکرؓ
سے کہا کہ تم میری لڑکی سے نکاح کر لو۔ لیکن وہ خاموش رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ سے کہا انھوں
نے جواب دیا کہ میں ابھی نکاح کرنا پسند نہیں کرتا اسلیے کہ ابھی تک اُنکے دل میں رقیہؓ کے مرنیکا
بہت رنج باقی تھا۔ آخر حضرت عمرؓ نے آنحضرت سے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ حفصہؓ سے وہ شخص
نکاح کریگا جو عثمان سے بہتر ہے۔ اور عثمان کا اُس عورت سے نکاح ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہے

چنانچہ خود آپنے حفصہ سے نکاح کرلیا۔ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ اور فرمایا کہ "واللہ اگر میرے سو لڑکیاں ہوں اور پے در پے مرجائیں لیکن برابر میں عثمان سے انکو بیاہتا چلا جاؤنگا" حضرت عثمان کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس نکاح سے حضرت عثمانؓ کو پھر تسکین ہوگئی۔ کیونکہ ام کلثومؓ ہر لحاظ سے رقیہؓ کی نعم البدل تھیں سوائے حسن کے مگر اُس میں بھی اُنسے زیادہ کم نہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے اُس برتاؤ سے بہت خوش تھے جو انھوں نے رقیہؓ کے ساتھ کیا تھا۔ اسی وجہ سے ام کلثوم کا نکاح بھی اُنھیں سے کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کو ذالنورین اسی لیے کہتے ہیں کہ انکے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کا نکاح ہوا تھا۔ جو بمنزلہ دو نور کے تھیں۔ ام کلثومؓ سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی۔ اور اپنی دوسری بہنوں کی طرح عین جوانی کے زمانے میں شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت عثمان کے نکاح میں چھ سال چار مہینے رہیں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ۲۷-۲۸ سال کی تھی۔ ان کی جواں مرگی کا بیحد لوگوں کو رنج ہوا۔ اور عورتوں نے تو شور و بکا سے کہرام مچا دیا۔ آنحضرت منع کرتے تھے کہ نوحہ نہ کرو۔ حضرت عمرؓ جب عورتیں نہیں باز آتی تھیں تو مارتے بھی تھے۔ لیکن وہ کہاں مانتی تھیں۔!!

اسی وقت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ "نالہ کرنا کسی کے مرنے پر چلّا چلّا کے رونا شیطان کا کام ہے۔ ہاں جو صرف دل اور آنکھ سے ہو وہ اللہ کی طرف سے ہے" یعنی نوحہ کرنا جیسا کہ اب بھی عام طور پر عورتیں کرتی ہیں اسکو آپ نے سخت منع کیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کا فعل ہے البتہ اگر کسی کے دل میں رنج پیدا ہوا اور آنکھوں سے آنسو نکلے تو یہ رحمت کی نشانی ہے۔ کیونکہ انسان میں فطرتاً رنج و غم کا احساس موجود ہے۔ اور رقت اور شفقت کا مادہ اُس میں رکھا گیا ہے۔

اگر کسی رنج اور مصیبت میں اُسکے اس جذبے کو تحریک ہو تو وہ ایک فطرتی امر ہی جو خدا کیطرف سے کہا جا سکتا ہی۔ لیکن اگر رنج سے آدمی اسقدر بیتاب ہو جائے کہ چلانا شروع کر دے جیسا کہ بعض ریاکار عورتیں دکھلانے کے لیے کرتی ہیں۔ تو یہ شیطانی کام ہی اور سخت بُرا ہی دنیا میں رنج ہر شخص کے لیے پیش آتا ہی۔ اور جو چیز رنج کے مقابلہ کرنے کے لیے فطرت نے آدمی کو عطا کی ہی وہ صبر ہی۔ انسان کسی رنج کو کتنا ہی محسوس کرے۔ کتنا ہی روئے پیٹے لیکن آخر میں صبر ہی کرنا پڑتا ہی۔ اور بلا صبر کے اُسکے لیے کوئی چارہ نہیں ہی اس لیے مذہب اس بات کی تعلیم دیتا ہی کہ کتنا ہی بڑے سے بڑا رنج تمہارے اوپر پڑے لیکن تم صبر کی طاقت سے اسکا مقابلہ کرو۔ اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "نصف ایمان صبر ہی" کیونکہ صبر کرنے سے انسان بہت سے آلام سے بچ جاتا ہی اور اپنی روح کو تکالیف سے محفوظ رکھ سکتا ہی۔ صبر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اچھی طرح روپیٹ کر دل کی بھڑاس نکال لی جاے اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ رہیے۔ بلکہ وہ کیفیت جو رنج سے دل پر طاری ہوتی ہی حتی الوسع نہ طاری ہونے دیجاے یعنی جسوقت پہلا حملہ صدمہ کا دل پر ہو اسی وقت دلکو قابو میں کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی کہ "الصبر عند الصدمة الاولیٰ" صبر وہی ہی جو صدمے کی ابتدائی حالت میں ہوتا ہی۔ بعد میں ہوا بھی تو کیا۔ جو لوگ ہر ایک رنج تکلیف اور محنت میں صبر سے کام نہیں لیتے ہیں اُنکی تمام روحانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

حضرت ام کلثوم رض کو اسماء بنت عمیس رض اور ام عطیہ رض وغیرہ کئی عورتوں نے غسل دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چادرہ دیا۔ کفن کے ساتھ اس کی ازار پہنا دی گئی۔ آپ نے تاکید کی تھی کہ بیر کی پتیاں پانی میں گرم کر کے تین۔ یا پانچ۔ یا سات غسل دو۔ اُس کے بعد کافور لگاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی

اور قبر پر آپ نے یہ فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آج کی رات اپنی بی بی کے پاس نہ گیا ہو وہ قبر میں اُترے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یا رسول اللہ۔ اور وہی قبر میں اُترے۔ بقیع میں دفن ہوئیں۔ رحمہا اللہ ورضی عنہا۔

فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کُل سات اولادیں ہوئیں جن میں سے آپ کے صرف ایک بیٹے ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے تھے اور باقی کُل حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تھیں لیکن کسی سے سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نسل نہیں چلی۔ آپ کے سب سے پہلے جو اولاد ہوئی وہ قاسم ہیں جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ پھر زینبؓ اسکے بعد عبداللہ جنکا لقب طیب و طاہر ہے۔ پھر رقیہؓ۔ پھر ام کلثوم۔ پھر فاطمہ رضؓ یہ اپنے تمام حقیقی بھائی بہنوں سے چھوٹی ہیں۔ ان کی ولادت حضرت عائشہ کی ولادت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکہ میں عین اُس زمانے میں جبکہ کعبہ کی تجدید ہو رہی تھی ہوئی۔ اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک ۳۵ سال کا تھا۔ بچپن ہی سے حضرت فاطمہ کی طبیعت میں بہت زیادہ متانت اور سادگی تھی ان کی اور بہنیں کھیلنے لگتیں لیکن انکا جی کھیل میں نہ لگتا۔ وہ اکثر اپنے قبیلے کے اور گھروں میں چلی جاتیں لیکن یہ کہیں جانا پسند نہ کرتیں۔ ہمیشہ اپنی محترم والدہ کے پاس ہی رہتیں۔ اُن کی یہ سادگی متانت اور استغنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیحد پسند تھی۔ اس لیے آپ انکو بتول (تارک الدنیا) فرمایا کرتے تھے۔ اور انکے ساتھ جسقدر آپ کو محبت تھی اُتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی۔ حالانکہ ان کی بعض دوسری بہنیں ان سے زیادہ خوبصورت اور تیز فہم تھیں۔

نیکی کی طرف بچپن ہی سے ان کی طبیعت کو غیر معمولی میلان تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا ایسے پُرشان ماں باپ کا فطری اثر اور اُنکے پاک اور مقدس آغوش کی پرورش ایسی چیزیں

نہ تھیں جو بے گہرا اثر ڈالے رہتیں۔

ابھی ان کی عمر پندرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ محترم والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اسی سال قضاء الٰہی سے ابو طالب نے بھی انتقال کیا۔ جو حضرت علیؓ کے باپ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور زبردست حامی تھے۔ ان دونوں واقعات سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسقدر رنج ہوا کہ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہمکو یہ خوف تھا کہ کہیں آپ کی حالت غیر نہو جاسے۔ ایسی حالت میں حضرت فاطمہؓ کے رنج و غم کا اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہے۔ ادھر ماں کی وفات کا صدمہ۔ اُدھر باپ کی پریشانی۔ علاوہ بریں ابو طالب کے مرنے سے کفار مکہ حضرت کو ستانے لگے تھے اُسکا رنج۔ غرض ایک مصیبت کا پہاڑ تھا جو انکے اوپر ٹوٹ پڑا۔ مگر باوجود ایسے سخت روحانی آلام کے اُنھوں نے نہایت صبر و استقلال سے کام لیا۔ ہر وقت اسی دُھن میں رہتیں کہ کسی طرح اپنے معزز باپ کو خوش دیکھیں۔ اور ہمیشہ اسی ٹوہ میں لگی رہتیں کہ ایسا نہو کہ کہیں کفار مکہ اُنکو کوئی تکلیف پہنچائیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عتبہ۔ اور شیبہ۔ وغیرہ جو بہت بڑے کافر تھے اور حضرت کو تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہا کرتے تھے اُن سبھوں نے ایک اونٹ کا پوٹا جو اُسی دن ذبح کیا گیا تھا سجدے کی حالت میں آپ کی گردن پر لاکر ڈالدیا۔ آپ اُسکے بوجھ سے سر نہ اُٹھا سکے۔ یہ دیکھکر فاطمہ دوڑیں اور اُسکو آپ کی گردن پر سے ہٹا دیا۔ اور اُن کفار کو جو وہاں کھڑے ہنس رہے تھے بد دعائیں دیں۔ حضرت نے بھی اُٹھکر اُنپر بد دعا فرمائی اور آخر اُحد کی لڑائی میں وہ سب کے سب واصل جہنم ہوئے۔

یہ ہمیشہ سے اپنے تمام انداز۔ کھانے پینے۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ بولنے چالنے۔ لباس وغیرہ غرض ہر فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تقلید کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

کہ مینے تمام حرکات وسکنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ فاطمہؓ ہی کو پایا۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہؓ ہیں یہی اسباب ہیں جنکی وجہ سے آنحضرت انسے بہت زیادہ اُلفت رکھتے تھے۔ اور انکو سیدۃ نسأ اہل الجنۃ فرمایا یعنی جنتی عورتوں کی سردار۔ آپ جب کبھی کسی سفر یا لڑائی سے واپس آتے تو مسجد میں دوگانہ ادا کر کے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کو دیکھنے جاتے اُسکے بعد ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے۔ انکی اسقدر وقعت کرتے تھے کہ جب وہ آپ کے پاس آتیں تو کھڑے ہوجاتے اور اپنے پاس اُنکو بٹھاتے۔ اُنکے سر اور آنکھوں پر بوسہ دیتے۔ ویسا ہی جب آپ اُنکے گھر جاتے تو وہ کرتیں۔

انکا نکاح حضرت علیؓ کے ساتھ مدینے میں اُسی سال رمضان کے مہینے میں ہوا جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے وہاں تشریف لے گئے۔ اُسوقت انکی عمر اٹھارہ سال کچھ مہینے کی تھی۔ اور حضرت علیؓ اکیس سال پانچ ماہ کے تھے۔ حضرت علیؓ نے خود انکے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام حضرت سے دیا تھا۔ آپ نے اُنسے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے۔ اُنھوں نے کہا کچھ نہیں۔ فرمایا کہ وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو تمکو بدر کے مال غنیمت سے مینے دی تھی۔ کہا کہ وہ ہے۔ فرمایا کہ بیچ ڈالو۔ اُسی کو حضرت علی نے چار سو درم کو فروخت کیا اور وہی حضرت فاطمہؓ کی مہر قرار پائی۔ نکاح کے بعد حضرت نے ایک طشت خرما منگایا اور اُسکو اپنے اصحاب میں لُٹا دیا۔

اسکے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ تم کوئی مکان تلاش کرو۔ اُنھوں نے حارثہ بن النعمان کا ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا۔ آپ نے ام ایمن کے ہمراہ حضرت فاطمہ کو حضرت علیؓ کے گھر رخصت کر دیا۔ اور اُس دین و دنیا کے بادشاہ کی معزز بیٹی اس سادگی سے کے ساتھ ایک لونڈی

کے ہمراہ پاؤں پیدل اپنے شوہر کے گھر میں آکر ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ جہیز میں ایک چادر۔ دو ڈول۔ آٹا پیسنے کی ایک چکی اور ایک گدا جس میں اذخر (ایک قسم کی خوشبودار نرم گھاس ہے) بھری ہوئی تھی اُن کو دیا۔ صبح کو حضرت اُنکے مکان پر تشریف لے گئے اور اُنکے لیے برکت کی دعا مانگی اور یہ آیت پڑھی اللھم انی اعوذھابك وذریتھا من الشیطان الرجیم (اے اللہ میں تیری پناہ میں دیتا ہوں اسکو اور اسکی اولاد کو شیطان ملعون سے) یوں بھی آپ اکثر اُنکے لیے دعا مانگتے رہتے تھے۔ جب یہ آیت اُتری انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (اللہ چاہتا ہے کہ اے اہلبیت تم سے بُرائی نکالدے اور تمکو پاک اور صاف کردے) تو آپنے حضرت فاطمہ۔ حضرت علی۔ حسن۔ حسین رضی اللہ عنہم کو بُلایا اور اُنکے اوپر اپنی ردا مبارک تان کر دعا کی کہ اے اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں تو ان کی بُرائیوں کو نکالدے اور انکو پاک وصاف کردے۔

حضرت فاطمہؓ ایک نہایت سیدھی سادی متقی اور دیندار عورت تھیں۔ تکلیف دنیا اور مصائب کا اُنکو ذرا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ اپنے گھر کا تمام کام کاج پیسنا۔ پکانا۔ خود اپنے ہات سے کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب آٹا گوندہتے گوندہتے انکا ہات گھس گیا تھا اور چکی پیستے پیستے گھٹے پڑ گئے تھے تو حضرت علیؓ کے کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں تاکہ اُنسے ایک خادمہ مانگیں۔ اُسوقت حضرت کے پاس بہت سے غلام اور لونڈیاں آئی ہوئی تھیں۔ جب وہاں گئیں تو حضرت نے نہایت پیار سے بٹھایا اور پوچھا کہ بیٹی کیوں آئی ہو۔ حضرت فاطمہؓ کو لونڈی مانگتے ہوے شرم آئی۔ کہا کہ صرف آپ کو سلام کرنے چلی آئی ہوں اسکے بعد واپس چلی آئیں اور کچھ نہ کہا۔ پھر حضرت علی خود انکو ساتھ لیکر گئے۔ اور عرض کیا آپ نے فرمایا کہ ان لونڈیوں میں سے میں تمکو نہیں دیسکتا۔ یہ اہل صُفہ کا حق ہیں۔ ان کو بیچ کر

انکے دام میں نقصں کو بانٹ دونگا۔ یہ دونوں وہاں سے واپس آئے۔ انکے پاس اوڑھنے کے
لیے صرف ایک چادر تھی جب سر ڈہانکتے تو پاؤں کھلجاتے اور جب پاؤں ڈہانکتے تو سر کھلجاتا
رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے مکان پر تشریف لائے۔ اُنھوں نے اُٹھنا چاہا لیکن
آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ کیا میں ایک ایسا عمل تم کو نہ بتاؤں جو تمہارے لیے خادم سے
بہتر ہو۔ کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو سبحان اللہ ۳۳۔ الحمد للہ
۳۳۔ اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔

حضرت علی کی ایک بہت بڑی فضیلت یہی ہو کہ خاتون جنت اُنکے نکاح میں تھیں صحابہ
کرام اسوجہ سے انکا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت علیؓ باوجود اسکے کہ بہت کچھ حضرت فاطمہؓ
کی خاطرداری کا خود خیال رکھتے تھے اور کوئی بات ان کی منشا کے خلاف کرنا گوارا نہیں
کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اُنکو تاکید کیا کرتے تھے کہ حسن صحبت (اُنکے ساتھ
اچھی طرح رہو) اور اُدہر حضرت فاطمہؓ کو بھی آپ بار بار نصیحت فرماتے تھے کہ عورت کا سب سے
بڑا فرض شوہر کی اطاعت ہو۔

ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ سے رنجیدہ ہوگئیں اور کہا کہ میں اسکی
شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گی۔ چنانچہ وہاں گئیں اور کیفیت بیان کی حضرت
علی بھی ساتھ ساتھ گئے تھے اور خاموش بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
بیٹی سنو۔ سوچو۔ سمجھو۔ یہ کیا ضرور ہی کہ مرد تمام کام عورت کے منشا کے مطابق ہی کرے
یہ نصیحت سُنکر آپ وہاں سے واپس آئیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسکا میرے اوپر اتنا
اثر پڑا کہ مینے عہد کرلیا کہ اب سے کبھی فاطمہ کی منشا کے خلاف کوئی کام نہ کرونگا۔

ایک مرتبہ اور بھی آپ کو معلوم ہوا کہ علی اور فاطمہ میں کچھ ان بن ہو۔ آپ لپیٹ دیتے

اُنکے گھر پہنچے اور دیر تک رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں صلح کرا دی۔ اسکے بعد بشاش اور خوش نکلے۔ لوگوں نے خوشی کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں نے اُن دو شخصوں میں صلح کرائی ہے جو دنیا میں مجھ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

حضرت علی نے جب تک حضرت فاطمہ اُنکے نکاح میں رہیں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ایکبار ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کی اُن کی خواہش معلوم ہوئی تھی۔ اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوے اور فرمایا کہ ایک مشرک اور رسول اللہ کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں اس لیے حضرت علی باز رہے۔

حضرت فاطمہ رض نے عمر بہت کم پائی۔ ۲۹ سال سے کچھ ہی زائد ان کی عمر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد انتقال کر گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنسے روایتیں بہت کم ہیں۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ فاطمہ رض آئیں اور کسقدر اُن کی رفتار رسول اللہ سے مشابہ تھی! آپ نے اُنکو نہایت پیار سے بٹھایا۔ اور کچھ اُنکے کان میں کہا وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ کچھ کان میں کہا وہ ہنسنے لگیں۔ مجکو اُن کا رونا اور فوراً ہی ہنسنا دیکھکر سخت تعجب ہوا جب وہاں سے اُٹھیں تو میں نے پوچھا۔ کہا کہ میں رسول اللہ کا راز ہرگز افشا نہ کرونگی۔ میں خاموش ہو رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد میں نے دریافت کیا۔ کہا کہ پہلے حضرت نے میرے کان میں کہا کہ یہ میری زندگی کا آخری سال ہے..... اسپر میں رونے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ اور جنت کی عورتوں کی سردار بنو۔ تو میں خوش ہو گئی۔

اُنکے مرض الموت کے متعلق تاریخ کے صفحات بالکل خاموش ہیں مگر جہاں تک ہمکو معلوم ہو سکا یہ کسی ایسے سخت مرض میں نہیں مریں جس کی وجہ سے کچھ دنوں تک صاحب فراش رہی ہوں

بلکہ ابن عبدالبر لکھتا ہی کہ جس دن انکا انتقال ہوا اُسی دن انھوں نے اچھی طرح غسل کیا تھا او کپڑے بدلے تھے۔ انکے جنازے میں بہت کم لوگوں کو شرکت کا موقع ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رات کو انتقال ہوا اور حضرت علی کو وصیت کر گئی تھیں کہ رات ہی کو مجھ کو دفن کر دینا۔ اُنھوں نے خود ہی غسل دیا۔ حضرت عباس رضؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ قبر کا ٹھیک پتہ نہیں۔

اُنکے چار اولادیں تھیں حسن۔ حسین۔ زینب۔ ام کلثوم۔ ام کلثوم سے حضرت عمر بن الخطابؓ نے نکاح کیا اُنسے دو ہی ایک نسل چلکر ختم ہو گئی۔ زینب کی نسل بھی منقطع ہو گئی۔ حسنؓ اور حسینؓ کی نسلیں البتہ دنیا میں اب تک ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کی فضیلتیں بہت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہؓ میرا ایک جزو ہی اور میری ریحانہ ہی۔ ایکبار آپ نے فرمایا جو فاطمہ۔ حسن حسین کا خیر خواہ ہے میں اُس کا خیر خواہ ہوں اور جو ان کا دشمن ہی میں اسکا دشمن ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ عورتوں میں کسکا درجہ بلند ہی۔ آپ نے چار خط زمین پر کھینچے اور فرمایا۔ مریم۔ خدیجہ۔ فاطمہ۔ آسیہ فرعون کی بیوی۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں انھیں ناموں کی ترتیب کے مطابق ہر ایک کی فضیلت ہی۔ ورنہ آپ آسیہ کا نام سب سے بعد میں کیوں لیتے۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میری آنکھوں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو فاطمہؓ سے اچھا اور بہتر نہیں دیکھا۔ ایکبار ایک شخص نے پوچھا کہ سب سے زیادہ حضرتؐ کس کے ساتھ محبت رکھتے تھے اُنھوں نے کہا کہ فاطمہ کے ساتھ۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ فاطمہؓ کی فضیلتیں اسوجہ سے ہیں کہ وہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں لیکن یہ غلط خیال ہی۔ اُن کی ذاتی خوبیوں نے اُنکے درجے بلند کیے ہیں۔ اسلام میں نسبی شرافت کوئی چیز نہیں رکھی گئی ہی۔ حضرت نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کو نصیحت

کرتے ہوے کہا کہ تم یہ نہ خیال کرو کہ میں تمہارا باپ ہوں تو آخرت میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں بلا اذن کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا۔ تم عمل کرو۔ اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور یہ سمجھ لو کہ کوئی چیز عاقبت میں سوائے عمل خیر کے مفید نہیں ہوسکتی۔ یہ شریعت کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ آیا کسی کے عاقبت میں کوئی کام آسکتا ہے یا نہیں۔ ایک عالم کہتا ہے کہ مُردے کو اگر کوئی ثواب پہنچانا چاہے تو مطلق نہیں پہنچتا۔ دوسرا عالم کہتا ہے کہ مالی عبادتوں مثلاً کسی کے نام سے صدقہ اور خیرات دینے سے مُردے کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ اور بدنی عبادتوں۔ مثلاً نماز روزہ۔ قرآن خوانی وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچتا۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ ہر قسم کی عبادتوں کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر فریق اپنے اپنے دعوی کے لیے غلط سلط حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اس میں زیادہ جھگڑا پڑ گیا ہے۔ مگر قرآن شریف میں اللہ تعالی نے صاف صاف فیصلہ کر دیا ہے "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (انسان کے لیے کوئی چیز کام نہیں آسکتی مگر جو کچھ اُسنے کیا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاقبت میں سوائے اپنے عمل کے اور کوئی چیز کام نہیں دیتی۔

تمّت

محررہ اضعف البنیان علی محمد خان نقش بردار سبّاق مضمار لوح وقلم سر دفتر خطاطان عرب وعجم عالیجناب میر احمد حسن الحسینی اللکھنوی ثم رامپوری المخاطب بہ سپہر تم دام بالفیض الاتم